ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

مغرب عالم اسلام کے بارے میں کبھی مخلص اور نیک نیت نہیں ہو سکتا، یہ اس کی پچھلی تاریخ کا بھی تقاضا ہے جس پر صلیبی جنگوں کے گہرے سائے پھیلے ہوئے ہیں اور سلطنت عثمانیہ اور مغربی ممالک کی طویل اور خوں ریز آویزش کی گہری چھاپ پڑی ہوئی ہے یہ حقیقت پسندی اور عقل سلیم کا بھی تقاضا ہے کہ صرف عالم اسلام ہی میں مغرب کے عالمگیر اقتدار کو چیلنج کرنے اور ایک ایسا نیا بلاک بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے جس کی بنیاد جداگانہ فلسفہ زندگی اور عالمگیر دعوت پر ہو۔ یہاں قدرتی وسائل اور ذخائر کی قدر و قیمت کے احساس کا بھی نتیجہ ہے جو عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بڑی افراط اور فراوانی کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور جو مغرب کے صنعتی و تجارتی نیز سیاسی اقتدار کے لئے بڑی اہمیت اور بعض اوقات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

[illegible]

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد نمبر ۲۰	ذی الحجہ و محرم ۲۵-۱۴۲۴ھ فروری و مارچ ۲۰۰۴ء	شمارہ نمبر ۲-۳

مدیر مسئول ابوالمکارم ازہری فلاحی	**معاون مدیر** انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے ☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے ☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر	☆ طلبہ کے لیے: ۹۰ روپے ☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے ☆ اس شمارے کی قیمت: ۱۵ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone:05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

مغرب کی مشرق وسطی کے تئیں دورخی پالیسی — انیس احمد مدنی — ۳

○ روشنی کا سفر

ایک نئی دین نومسلم خاتون کے احساسات — محمد سہیل فلاحی — ۵

○ مقالات

مشرق کی جانب ہلاکر کے جانے والی آگ کا ظہور — یوسف الوائل — ۹

برما کے مسلمان اور ان کے حالات — شاہ عالم فلاحی — ۱۵

آذربائجان ایک نظر میں — ۲۱

○ اصولی مباحث

فن تخریج اور اسکے قواعد (۵) — ڈاکٹر محمود الطحان — ۳۲

○ تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف (۵) — ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان — ۴۰

○ سفرنامہ

دورۂ امریکہ مشاہدات و تاثرات (آخری قسط) — مولانا مقبول احمد فلاحی — ۴۶

○ مذاہب عالم

توریت کا تعارف (۴) — انیس احمد مدنی — ۵۵

○ شعر و نغمہ

غزلیں — انور ظہیری — ۸-۱۴

○ جامعہ کے لیل و نہار — ادارہ — ۵۹

انجمن طالبات قدیم کے تیسرے اجلاس عام کی ایک جھلک — ساجدہ فلاحی

کلیۃ البنات میں شعبہ حفظ کا قیام

دیار مکمل اسٹور کا قیام

طالبات کی مقبولیت

لیاپی اوکا قیام

جامعۃ الفلاح پر انٹرنیٹ کی سہولت

سہ روزہ سیمینار — اظہار تحریت

اداریہ

مغرب کی مشرق وسطی کے تئیں دورخی پالیسی

انیس احمد مدنی

آج مغرب اپنے تمام تر وسائل کے ذریعہ اسلامی اور عربی ممالک پر اس بات کے لئے شدید دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ عسکری تفوق اور قوت کے جملہ عناصر سے اپنے آپ کو خالی و فارغ کر لیں۔ یہ دباؤ ''مہلک ہتھیاروں کے عدم توسیع'' جیسے خوشنما نعروں کی آڑ میں ڈالا جا رہا ہے۔ عراق، ایران، شام اور سوڈان پر اس دباؤ کے جو اثرات پڑے ہیں ان سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ یہی حال لیبیا کا بھی ہے جس نے اپنے جملہ عسکری ریکارڈ بخوشی امریکا اور لندن کے حوالے کر دئے ہیں۔ ''مشرق اوسط'' کو ایٹمی اور مہلک ہتھیاروں سے پاک وصاف بنانے کا یہ عمل جاری ہے۔ درانحالیکہ صیہونی مملکت ''اسرائیل'' اتنے زیادہ ایٹمی ہتھیاروں کی تنہا مالک ہے جو پورے عالم کی بربادی کے لئے کافی ہے۔ دو سو سے زیادہ ایٹم بم، بے شمار کیمیاوی ہتھیار کافی دور تک مار کرنے والی میزائلوں اور تباہی و بربادی کے نوع بہ نوع ہتھیاروں کا ایک وسیع ذخیرہ اسرائیل کے پاس موجود ہے اسکے باوجود بھی اسرائیل مغربی قوتوں اور انکی تائید کے ذریعہ اپنے قرب و جوار کی حکومتوں کو ان ہتھیاروں کی ادنی صلاحیتوں سے بھی یکسر محروم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ عراق کے ایٹمی پلانٹ پر اس کا حملہ، عرب کے مختلف ایٹمی سائنس دانوں کا قتل اور ایران و پاکستان کو مہلک ہتھیاروں کی تیاری پر انکی شدید دھمکیاں، انکی بین دلیل ہے۔ اسرائیل جو ہر طرح کے ایٹمی اور کیمیاوی ہتھیاروں سے مسلح ہے لیکن مغرب یا اقوام متحدہ پھر بھی اسے ان ہتھیاروں سے پاک کرنے کی کوئی مہم نہیں چلا رہا ہے اور نہ ہی اس جانب انکی کوئی توجہ ہے۔ عربی ممالک کو جس طرح کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اس طرح کی اسرائیل کو دھمکیاں دینا تو

[illegible]

کیا یہ اسلام اور اہل اسلام پر صیہونیت کو غالب و مسلط کرنے کی سازش و تدبیر نہیں ہے۔ غور طلب ہے کہ مسلم ممالک کو ہتھیاروں سے خالی کرایا جارہا ہے درانحالیکہ ان کا ازلی اور پہلا دشمن بے پناہ ہتھیاروں کو یکجا کئے ہوئے ہے، کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر مشرق وسطیٰ کو مہلک ہتھیاروں سے پاک کرنے کے دعویٰ میں امریکہ، مغرب اور اقوام متحدہ مخلص ہیں تو انہیں سب سے پہلے اس صیہونی مملکت کو ان مہلک ہتھیاروں سے پاک کرنے کا آغاز کرنا چاہئے۔ جس کی پوری تاریخ دوسروں پر ظلم و عدوان قتل و ذبح اور حرث و نسل کو برباد کرنے سے عبارت ہے اور اگر ایسی کوئی کوشش نہیں کی جارہی ہے تو اس کا واضح اور صریح مطلب یہ ہوگا کہ اقوام متحدہ اور مغرب کے اس خوشنما نعرے کا مقصد صیہونی ریاست کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا اور خطہ کے پٹرولیم کے ذخائر پر اپنے تسلط کو مضبوط کرنا ہے اور مسلمانوں اور عربوں کو اپنے دفاع و تحفظ کے جملہ وسائل سے محروم کرنا ہے تاکہ حریت و عزت کے ساتھ یہ لوگ زندگی نہ گزار سکیں۔

"ولن ترضیٰ عنك الیهود و لا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتهم"

☆☆☆

روشنی کا سفر

A Canadian Muslma's Story

ایک کناڈین نومسلم خاتون کے احساسات

مترجم: محمد سہیل فلاحی

مسلمانوں کے ربط میں پہلی مرتبہ اس وقت آئی جب ۱۹۸۹ء میں میرا مختلف ممالک کے کچھ نوجوان طالب علموں سے تعارف ہوا ان کے توسط سے مجھے اسلام کے بارے میں کچھ واقفیت ہوئی جیسے رمضان کے روزے وغیرہ۔ مگر یہ ۱۹۹۲ء کا زمانہ تھا جب میں نے باقاعدہ طور سے اسلام میں دلچسپی لینی شروع کی۔ اسی سال موسم گرما میں ایک کناڈین اخبار "Canadian Newspaper" نے کچھ اسلام مخالف مضامین شائع کرنا شروع کیا تاکہ کچھ مسلمانوں کے غیر اسلامی طرز زندگی کو اسلام کو بدنام کرنے کی خاطر ثبوت کے طور پر پیش کرسکے۔ غیر مسلم اسلام کو مسلمانوں کے کردار کی بنیاد پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ قطعی طور پر درست نہیں ہے اس وقت میں مسلمان نہیں تھی مگر مضامین اس قدر برانگیختہ کرنے والے تھے کہ میں نے مجبوراً اس اخبار کے ایڈیٹر کے نام اسلام کے دفاع میں ایک خط بھیجا اور اس کے بعد اسلام کے بارے میں میرا شوق اور بڑھ گیا مسلم طلباء کی جانب سے ہماری یونیورسٹی میں بیداری اسلام کے تعلق سے کچھ ہفتہ منایا گیا۔ ان میں میں نے شرکت کی۔ ان میں سے ایک ہفتہ عیسیٰ مسیح کی تعلیمات پر منایا گیا۔ میں نے وہیں پر ایک مسلمان سے درخواست کی کہ وہ مجھکو اسلام پر کچھ کتابیں فراہم کرے۔ ان کتابوں کا میں نے مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ کتابیں مکمل طور سے اسلامی نظریات کا احاطہ کرتی ہیں اور وہ دو مشہور مصنف کے ذریعہ لکھی گئی تھیں۔ میں ان سے بہت متاثر ہوئی، مجھے ایسا لگا کہ یہی حقیقی اسلام ہے۔

آئندہ کچھ مہینوں کے درمیان اپنے فرصت کے لمحات میں جب میں یونیورسٹی میں جارہی تھی تو کچھ بہت ہی قابل اعتماد کتابوں کا اسلام کے بارے میں جاننے کے لئے مطالعہ جاری رکھا۔ جیسے حیات رسول "The life of Mohammad" جس کے مصنف ڈاکٹر محمد ہیکل ہیں۔ یقیناً ایک شخص کے لئے یہ سب سے مشکل کام ہے کہ وہ صرف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرے اسلام میں داخل ہونے والے شخص کو بے حد محتاط رہنا چاہئے

ایسے لوگوں کی تحریروں سے جو بظاہر تو اسلام سے قربت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر یقیناً وہ اسلام کے مخالف ہوتے ہیں۔ محض اس بنیاد پر کہ ان لوگوں کا نام عربی ہے یا مسلمانوں جیسا ہے ضروری نہیں ہے کہ یہ اسلام کے جاننے والے یا مسلمان ہوں۔ میں نے اسلام کے بارے میں کچھ مسلمان مرد اور عورتوں سے معلومات فراہم کی جو یقیناً بہت ہی رحم دل اور تعلیم یافتہ لوگ تھے اور اسلام کی تبلیغ کے دوران انہوں نے مجھ پر کوئی دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ دھیرے دھیرے میرے طور طریقے میں اسلامی رنگ آنے لگا۔ میں نے پہلے ہی شراب اور سور کا گوشت لینا ترک کر دیا تھا میں نے ہمیشہ لباس کے تعلق سے سادگی کو ترجیح دی ہے اور بہر بناؤ سنگار اور زیورات وغیرہ کے استعمال سے اجتناب کیا ہے میں نے صرف اس ذبیحہ کا گوشت کھانا شروع کیا جو اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو۔ اور اسی دوران پہلی مرتبہ میں نے اپنے شہر کی ایک مسجد کی زیارت بھی کی۔

جب تک میں نے اسلام کے تعلق سے معلومات حاصل نہیں کی اس سلسلے میں میری معلومات بالکل صفر تھی میں ایسا اس وجہ سے کہہ رہی ہوں کہ وہ اسلام جس کے تعلق سے ذرائع ابلاغ میں گفتگو ہوتی ہے، صحیح نہیں ہے۔ شروع شروع میں میرا بھی یہ خیال تھا کہ اسلام بھی کسی شخص کی ایجاد ہے اور اس حقیقت سے بالکل ناواقف تھی کہ اسلام کا دوسرا نام سچائی اور وحدانیت ہے۔ میرا یہ خیال تھا کہ وہ شخص جس کی پرورش مسلم گھرانوں میں ہوتی ہے صرف وہی مسلم ہے اور اس حقیقت سے بالکل ناواقف تھی کہ تمام انسان پیدائشی اعتبار سے مسلم ہیں اور انہوں نے خدا کے سامنے اطاعت و بندگی کا وعدہ کیا ہے۔ دوسرے مغربی لوگوں کی طرح سے میرا بھی یہی خیال تھا کہ اسلام مشرق کے لوگوں کا مذہب ہے اور اس حقیقت سے ناواقف تھی کہ یہ وقت اور جگہ دونوں اعتبار سے ایک عالم گیر مذہب ہے۔ تاہم الحمد اللہ اسلام کے تعلق سے میرے اندر کبھی غلط احساسات نہیں پائے گئے جتنا زیادہ میں اسلام کے بارے میں مطالعہ کرتی گئی میرے اندر یہ احساس شدید ہوتا گیا کہ میں بھی ایک راسخ العقیدہ مسلمہ بن سکتی ہوں۔ اور وہ سارے نظریات جو پہلے سے میری زندگی میں نافذ العمل تھے وہ عین اسلامی تعلیمات کے مطابق لگے۔ اسلام سے واقفیت کے بعد جب مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم کیا ہیں، ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی سوچ اور سمجھ کیسی ہونا چاہیے نیز یہ ساری باتیں اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں تو میں قبول کرنے اور ایک سچی مسلمہ کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے لئے تیار ہوگئی۔ ایک روز جب میں گھر

پر تھی میں نے کلمہ شہادت ادا کیا اور الحمد اللہ پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھنے لگی۔

یہ فروری ۱۹۹۳ء کا واقعہ تھا ابھی رمضان کا مہینہ شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے۔ اس سال میں یہ بابرکت مہینہ کھونا نہیں چاہتی تھی میں نے محسوس کیا کہ روزہ رکھنا بہت آسان ہے جتنا کہ ہم سوچتے ہیں۔ روزہ رکھنے سے پہلے میں ڈرتی تھی کہ کمزور ہو جاؤں گی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ شروع شروع میں پانچ وقت کی نماز اور روزہ جیسے معمولات سے ہم آہنگ کرنے میں وقت لگا اور شروع شروع میں ان کی ادائیگی کے تعلق سے کچھ غلطیاں ہو جاتی تھیں۔ لیکن غلطیاں بہت زیادہ شوق کی وجہ سے ہوتی تھی نہ کہ مشکل ہونے کی وجہ سے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد عبداللہ یوسف علی کے ذریعہ انگریزی میں ترجمہ کئے گئے قرآن کا میں نے مطالعہ شروع کیا، شروع شروع میں علامہ یوسف القرضاوی کی ایک کتاب جسکا عنوان "The lawful and prohibited in Islam" ''حلال و حرام'' میرے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔

جنوری ۱۹۹۶ء رمضان کے مہینے میں میں نے باقاعدہ حجاب پہننا شروع کیا اس لئے کہ حجاب کے بغیر میں اللہ تعالیٰ کی مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار نہیں بن سکتی۔ اسلام کو قبول کرنا اور اس پر مکمل طور پر عمل لازمی چیز ہے۔ اسلام قبول کرتے وقت مجھے یہ احساس تھا کہ حجاب ایک مسلمان عورت کے لئے ناگزیر ہے۔ میں چاہتی تو اس کا استعمال فوراً شروع کر دیتی لیکن ایک غیر اسلامی سماج میں اس پر عمل آسان نہیں ہے۔ بہت سارے لوگ حجاب کے استعمال پر مغربی ممالک میں برہم نظر آتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ عیسائی راہباؤں کو اپنے سر ڈھکنے پر کبھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ میرے اندر حجاب استعمال کرنے والی عورتوں کے سلسلے میں کبھی بھی منفی جذبات نہیں پیدا ہوئے۔ جس چیز کی وجہ سے میں حجاب پہننے میں ہچکچاتی تھی وہ یہ خوف تھا کہ سماج میں دوسرے لوگ برے طریقے سے پیش آئیں گے۔ خاص طور سے اپنے خاندان کے لوگ لیکن ہمیں صرف خدا کا خوف ہونا چاہیئے نہ کہ دوسروں کا۔ حجاب کے مستقل استعمال سے کچھ ماہ قبل ہی سے میں نے اس کے استعمال کی عادت ڈالنی شروع کر دی۔ اس کا استعمال میں اس وقت کرتی تھی جب میں گھر سے مسجد جمعہ کے روز نماز ادا کرنے جایا کرتی تھی۔ اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد سے میں نے نماز کے دوران ہمیشہ حجاب استعمال کیا اور ہمیشہ اللہ سے دعا کی وہ میرے لئے اس کا استعمال آسان بنا دے۔

حجاب کے استعمال کرنے پر میں نے اپنے کو بالکل محفوظ محسوس کیا اور اس قابل ہو سکی کہ

دوسرے لوگوں کی نگاہوں کا سامنا کئے بغیر باہر جا سکوں، شروع میں کچھ لوگوں کو میرے اس قدم پر حیرت ہوئی میرا خیال ہے کہ وہ لوگ حیرت زدہ محض اس وجہ سے ہوئے کہ مسلمان عورتوں کو اس لباس میں دیکھنے کے عادی نہیں تھے بہرحال میرے نزدیک حجاب کا استعمال لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد سے ہی میں مستقل اس دین کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتی رہی چونکہ ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے اس وقت میں عربی زبان سیکھ رہی ہوں اور امید ہے کہ جلد ہی انشاءاللہ عربی زبان میں قرآن پڑھنے کے لائق ہو سکوں گی۔ متقی بننے کے لئے برائیوں کے خلاف جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں نے اسلام کو دلکش اور آسان پایا اور ایک مسلمہ کی حیثیت سے زندگی گزارنے میں بھی اچھا لگتا ہے۔

بشکریہ ""مسلم یوتھ ریاض""

☆☆☆☆☆

غزل

سچ جو بولو گے میاں نور اتر آئے گا
منہ سے نکلی ہوئی باتوں میں اثر آئے گا

شمع کو شمع سے جیسے کوئی روشن کردے
کچھ نہ کچھ باپ کا بیٹے میں اثر آئے گا

بد دعا دینے سے پرہیز کریں اعداء کو
تب کہیں جاکے دعاؤں میں اثر آئے گا

دوش پر لیکے چل اے بادِ صبا خاک مری
میں اتر لوں گا جہاں میرا نگر آئے گا

خودکشی کس نے کی؟ کس وجہ سے کی اے انور
کون تصدیق شدہ لیکے خبر آئے گا

(انور جلیمری)

مقالات

حشر کی جانب ہنکا کر لے جانے والی آگ کا ظہور

یوسف الوابل

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہولناک آگ کا خروج ہے۔ قیامت کی بڑی علامتوں میں سے یہ سب سے آخری علامت ہوگی اور قیامت کے وقوع کی خبر دینے والی پہلی نشانی۔

آگ کے نکلنے کی جگہ:

روایات کی رو سے یہ آگ یمن کے مشہور شہر عدن سے نکلے گی جو حضر موت کے سمندر (بحر عربی) کے پاس واقع ہے۔ اور بعض روایتوں میں حضر موت سے نکلنے کا تذکرہ ہے۔

حذیفہ بن اسید کی حدیث میں ہے!" آخری نشانی یمن سے آگ کا خروج ہوگا جو لوگوں کو حشر کی جانب بھگائے گی"۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن، ۱۸/ ۲۷)

مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے' اور ایک آگ عدن سے نکلے گی جو لوگوں کو ہنکا کر لے جائے گی"۔ (مسلم، کتاب الفتن ۱۸/ ۴۹)

مسند احمد میں ہے: حضر موت یا حضر موت کے سمندر سے قیامت سے پہلے عنقریب آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی" (مسند احمد ۷/ ۱۳۳) احمد شاکر اور علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر ۳/ ۲۳۳ حدیث رقم: ۳۶۰۳)

بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ جب اسلام لائے تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے چند سوالات پوچھے۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کی سب سے پہلی نشانی کون سی ہے؟ تو نبی ﷺ نے جواب دیا: رہی پہلی نشانی تو وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق کی جانب سے ہانک کر مغرب کی جانب لے جائے گی۔

حذیفہ کی حدیث میں اسے آخری نشانی اور بخاری کی اس روایت میں اسے پہلی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ آگ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سب سے آخری علامت ہوگی اور حدیث حذیفہ میں اسے پہلی نشانی ان امور کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اس کے بعد واقع ہوں گے جیسے نفخ صور وغیرہ۔

اور اسے پہلی نشانی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ ان نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی ہوگی جسکے بعد دنیا کا کوئی معاملہ واقع نہ ہوگا بلکہ ان کے ختم ہوتے ہی صور پھونکا جائے گا رہی حدیث حذیفہ میں مذکور قیامت کی دوسری نشانیاں تو ان میں سے ہر نشانی کے بعد بعض دنیاوی امور واقع ہوں گے۔ (فتح الباری ۱۳/۲۸)

بعض احادیث میں اس آگ کے یمن سے نکلنے کا تذکرہ ہے اور بعض میں مشرق کی جانب سے مغرب کی جانب ہنکا کر لے جانے کا ذکر وارد ہے۔ اس تعارض کو درج ذیل پہلوؤں سے رفع کیا جائے گا۔

۱: یہ دونوں امور باہم دگر متعارض نہیں ہیں کیونکہ اس آگ کے خروج کی ابتداء قعر عدن سے ہوگی نکلنے کے بعد پوری روئے زمین پر پھیل جائے گی تو مشرق سے مغرب کی جانب ہنکا کر لے جانے سے یہ دونوں خصوص مشرق مراد نہیں بلکہ اس آگ کا پورے روئے زمین پر پھیل جانا ہے۔

۲: آگ جب پھیلے گی تو آغاز میں اہل مشرق کو ہنکائے گی اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ فتنوں کا آغاز ہمیشہ مشرق ہی سے ہوتا رہا ہے۔ رہا مغرب کی جانب ہنکا کر لے جانا تو یہ اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ سرزمین شام مشرق کے مقابلے میں مغرب ہی میں واقع ہے۔

۳: یہ احتمال بھی ہے کہ حدیث انس میں آگ سے وہ عظیم فتنے مراد ہوں جس کے شعلے آگ کی مانند ہوں گے اور جن کا آغاز مشرق کی جانب سے ہوگا یہاں تک کہ مشرق کا زیادہ تر حصہ ویران ہو جائے گا اور وہ لوگ مشرق کی جانب سے شام اور مصر میں یکجا ہوں گے اور یہ دونوں ملک مغرب کی سمت میں واقع ہیں۔ مشرق کی جانب سے اسی طرح کے عظیم فتنے چنگیز خاں اور اس کے بعد ادوار میں برابر اٹھتے رہے ہیں۔ اور حدیث حذیفہ اور ابن عمر میں آگ سے مراد قرب قیامت ظاہر ہونے والی حقیقی آگ ہو۔ (فتح الباری ۱۱/۳۷۸ـ۳۷۹)

لوگوں کو جمع کرنے کی کیفیت:

یمن سے اس آگ کے ظہور اور پھر زمین میں پھیلاؤ کے بعد یہ لوگوں کو ہنکا کر ارض محشر کی جانب لے جائے گی جو لوگ اکٹھے کیے جائیں گے ان کے تین جھنڈ ہوں گے۔

۱: پہلی فوج کپڑا پہنے ہوئے، اونٹ پر سوار اپنی رضا و رغبت سے جائے گی۔

۲: دوسری فوج کبھی پیدل اور کبھی اونٹ پر سوار ہو کر جائے گی ایک ہی اونٹ پر باری باری لوگ سوار ہوں گے۔

۳: تیسری فوج کو آگ پیچھے سے گھیرے ہوئے ہوگی اور انہیں ہر جانب سے ہنکا کر ارض

محشر کی جانب لے جائے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا اسے آگ کھا جائے گی (النہایۃ فی الفتن والملاحم ۱/۲۳۰ـ۲۳۱)

جمع کرنے کی کیفیت کی بابت مروی احادیث:

۱: ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لوگ تین جھنڈ میں یکجا کیے جائیں گے بعض برضا و رغبت جائیں گے اور بعض ڈر و خوف کی حالت میں دو ایک اونٹ پر اور تین اور چار اور دس ایک اونٹ پر باری باری سفر کریں گے۔ اور آگ ان کے بقیہ کو ہنکا کر لے جائے گی انہیں کے ساتھ قیلولہ کرے گی اور جہاں وہ رات گزاریں گے وہیں وہ بھی رات گزارے گی، انہیں کے ساتھ صبح و شام کرے گی۔ (صحیح بخاری مع الفتح ۱۱/۳۷۷، حدیث رقم ۶۵۲۲)

۲: عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "اہل مشرق پر ایک آگ بھیجی جائے گی جو انہیں مغرب کی جانب اکٹھا کرے گی جہاں وہ رات گزاریں گے وہیں وہ بھی رات گزارے گی انہیں کے ساتھ قیلولہ کرے گی اس آگ کا حصہ وہ بھی لوگ ہو جائیں گے جو پیچھے رہ جائیں گے یہ آگ انہیں سکتہ زدہ اونٹ کے چلنے کی طرح ہنکا کر لے جائے گی (المعجم الاوسط طبرانی، اس کے راوی ثقہ اور معتبر ہیں، مجمع الزوائد ۸/۱۲)

۳: حذیفہ بن اسیدؓ روایت کرتے ہیں کہ ابوذرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا اے بنو غفار سچ بات کہو، اختلاف نہ کرو، صادق عالم نے مجھ سے یہ خبر بیان کی ہے کہ لوگوں تین جھنڈوں میں اکٹھا کیے جائیں گے۔ ایک جھنڈ سوار، کپڑے پہنے ہوئے برضا و رغبت جا رہا ہوگا دوسرے لوگ پیدل اور دوڑتے ہوئے بھاگ رہے ہوں گے۔ اور تیسرے جھنڈ کو فرشتے منہ کے بل کھینچتے ہوئے آگ تک ہنکا کر لے آئیں گے۔ ایک شخص نے کہا ہم نے دو گروہوں کو پہچان لیا تو دوڑنے اور چلنے والوں کا کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! سواریوں پر ایک عمومی آفت ٹوٹ پڑے گی کوئی سواری نہ بچے گی یہانتک کہ انسان اپنے خوبصورت باغ کو ایک پرانی بوڑھی تھکی ہوئی اونٹنی سے بدلنا چاہے گا تو بھی نہ پائے گا۔ (مسند احمد ۵/۱۶۴ و سنن نسائی، الجنائز، باب البعث ۴/۱۱۶)

ارض محشر:

وہ سرزمین جہاں آگ لوگوں کو ہنکا کر آخری زمانے میں لے جائے گی وہ شام ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ "ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا آگ کے خروج کے بعد آپ ہمیں کیا کرنے کا حکم دیں گے؟ آپ نے فرمایا "تم لوگ شام کی جانب روانہ ہو جاؤ۔"

حکیم بن معاویہؓ البہزی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سرزمین شام کی جانب اشارہ

کر کے تین بار فرمایا! "یہاں تم لوگ پیدل اور سوار اپنے چہروں کے بل اوندھے منھ اکٹھا کئے جاؤ گے۔ (مسند احمد ۴/۴۴۶ و ۳۳۳)

شام کے ارض محشر ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ آخری زمانے میں جب فتنے عام ہو جائیں گے تو امن اور ایمان شام میں ہی باقی رہے گا۔ متعدد حدیثوں میں یہاں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ عبداللہ بن حوالہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! اسراء کی رات میں نے ایک سفید ستون دیکھا گویا کہ وہ جھنڈا ہو جسے فرشتے لئے جا رہے تھے میں نے پوچھا! کیا لئے جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کتاب کا عمود جسے ہمیں شام میں رکھنے کا حکم ملا ہے۔ (فتح الباری ۱۲/۴۰۳ حافظ ابن حجرؒ نے اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے)

متعدد صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شام میں خیر و برکت کی فراوانی کی دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن ۱۲/۴۵)

ابو صبیح کہتے ہیں کہ ارض محشر سرزمین شام کیسے ہو سکتی ہے جبکہ قرآن مجید میں ہے! "جس دن یہ سرزمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی"۔ (سورۃ ابراہیم: ۴۸)

جواباً عرض ہے کہ متعدد احادیث شام کے ارض محشر ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ ابو صبیح کے انکار کا سبب ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ حشر آخرت میں ہوگا دنیا میں نہیں درانحالیکہ یہ حشر دنیا میں ہوگا اس سے مراد آخرت کا حشر نہیں ہے۔

یہ حشر دنیا میں ہوگا:

یہ حشر دنیا میں ہی ہوگا۔ اس سے آخرت کا حشر مراد نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حشر کے معنی "جمع کرنے" کے آتے ہیں اور اسکی چار قسمیں ہیں۔ دو دنیا میں ہوگا اور دو آخرت میں۔ رہے دنیا کے دونوں حشر تو پہلا بنو نضیر کا شام جلاوطن کیا جانا اور دوسرا قرب قیامت آگ کا لوگوں کو شام کی جانب ہنکا کر لے جانا ہے۔ (التذکرہ ۱۹۸/۱۹۹)

یہ حشر دنیا ہی میں ہوگا یہی رائے جمہور محدثین کی ہے۔ البتہ بعض علماء جیسے غزالیؒ اور علامہ حلیمیؒ کا خیال ہے کہ یہ حشر آخرت میں ہوگا۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں! "المصابیح" کے بعض شارحین نے اس سے قبر کا حشر مراد لیا ہے اور انہوں نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں۔

۱: حشر کا لفظ جب عرف شرع میں مطلق آئے تو اس سے مراد قبر کا حشر ہی ہوتا ہے۔ الا یہ کہ دوسرا حشر مراد لینے کی کوئی خصوصی دلیل موجود ہو۔

۲: خبر میں اکٹھا کئے جانے والوں کی جو تقسیم حدیث میں دی گئی ہے وہ شام کی جانب اٹھائے جانے والے حشر پر صادق نہیں آرہی ہے کیونکہ مہاجر یا تو برضا و رغبت جائے گا یا ڈر و خوف کی وجہ سے یا دونوں کیفیات کی ملی جلی حالت میں۔

۳: احادیث میں جملہ باقی رہ جانے والے لوگوں کا شام کی جانب ہنکایا جانا اور اس پر مجبور کیا جانا کسی دلیل سے ثابت نہیں پھر آگ کو بلا دلیل کے جملہ بدبخت لوگوں پر مسلط کرنے کی رائے کا اظہار درست نہیں۔

۴: بعض حدیثوں میں حشر کے وقت لوگوں کے تین گروہوں میں جانے کی بات بھی وارد ہے علی بن زید کی حدیث میں ہے! "لوگ تین گروہوں میں ہوں گے۔ ایک گروہ چوپایوں پر اور دوسرا اپنے پاؤں پر اور تیسرا منھ کے بل"۔ اور یہ تقسیم آخرت کے حشر سے میل کھاتی ہے۔ سورۃ الواقعہ میں ہے: "اور تم لوگ تین گروہوں میں ہو گے"۔ (آیت رقم: ۷)

۱: جواباً عرض ہے کہ احادیث میں اس حشر کے دنیا میں ہونے کی صراحت موجود ہے حدیث میں مذکور تقسیم ضروری نہیں کہ سورۃ الواقعہ ہی کی تقسیم کی توضیح ہو کیونکہ احادیث میں یہ صاف موجود ہے کہ جو لوگ اس آگ سے چھٹکارے کے لئے جلدی کر جائیں گے وہ شام کی جانب جانے کے لئے سواری پالیں گے اور جو لوگ سستی دکھائیں گے وہ ایک ایک سواری پر کئی کئی سفر کریں گے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہوگی جنہیں آگ ہنکا کر اور فرشتے گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے۔

۲: احادیث کے شواہد صراحۃ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ آگ سے مراد آخرت کی آگ نہیں ہے بلکہ وہ آگ ہے جو دنیا میں نکلے گی اور جس کے نکلنے سے آپ ﷺ نے آگاہ کیا ہے اور جو کچھ وہ کرے گی اسکی کیفیات احادیث میں مذکور ہیں۔

۳: علی بن زید کی حدیث ضعیف ہے کیونکہ علی متکلم فیہ راوی ہیں۔ پھر اس حدیث کے بعض طرق میں ایسے قرائن موجود ہیں جو اسکے آخرت میں ہونے کی نفی کرتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ! "لوگ اس آگ کی لو سے اپنے چہروں کو جھاڑیوں اور ٹیلوں سے بچانے کی کوشش کریں گے درانحالیکہ حشر کی زمین صاف اور چٹیل میدان ہوگی، وہاں کوئی کجی، ٹیلہ یا جھاڑی نہ ہوگی۔

علامہ نوویؒ کہتے ہیں! "اس حشر کے دنیا میں ہونے کی دلیل آپ ﷺ کا یہ قول ہے کہ! "آگ بقیہ لوگوں کو اکٹھا کرے گی انہیں کے ساتھ رات گزارے گی اور انہیں کے ساتھ قیلولہ اور صبح و شام کرے گی"۔ (شرح النووی، ۱۷/۱۹۴)

ابن کثیر کہتے ہیں! ''اس حشر کے وقت کھانے پینے، سوار ہونے اور سواری کے خریدنے اور بعض لوگوں کے ہلاک ہونے کا تذکرہ موجود ہے جو اسکے اس دنیا میں ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ میدان حشر میں، صور پھونکنے کے بعد نہ تو موت طاری ہوگی نہ ہی خرید وفروخت ہوگی اور نہ ہی کھانا پینا''۔ (النہایہ فی الفتن والملاحم ۱/۲۳۰)

رہا آخرت کا حشر تو احادیث کے مطابق بھی لوگ ننگے، پیدل، اٹھائے جائیں گے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تم لوگ ننگے، پیدل، اور بیماریوں سے صحیح وسالم اٹھائے جاؤگے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے؛ ''جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا فرمایا اسی طرح دوبارہ پیدا فرمائیں گے''۔ سورۃ الانبیاء: ۱۰۴) اور سب سے پہلے قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ۱۱/۳۷۷)

ابن حجرؒ کہتے ہیں! '' جو لوگ موت کے بعد ننگے اور پیدل اٹھائے جائیں گے ان کے پاس باغات کہاں سے آئیں گے جنہیں وہ سواریوں کی خریداری میں ادا کریں گے۔

(فتح الباری، ۱۱/۳۸۶)

☆☆☆

غزل

مر کر پھر کیا جاتا ہے
اک دن ایسا آتا ہے
اس کا جانا اس رت میں
اپنا تو مر جانا ہے
دھندلا سا ہے آئینہ
کیوں کر اب شرماتا ہے
روکو گے اس کو کیوں کر
پردیسی کو جانا ہے
ہم کو کہتی ہے دنیا
پاگل ہے دیوانہ ہے
محفل میں انور تجھ کو
شاعر سب نے مانا ہے

(انور ظہیری)

مقالات

برما کے مسلمان اور انکے حالات

مترجم: شاہ عالم فلاحی

برما، برآعظم ایشیا کے مشرق میں واقع ایک ملک ہے جس کی حدود اربعہ یوں ہے۔ اسکے مشرق سے تھائی لینڈ کی سرحد ملتی ہے، مغرب میں ہندوستان اور بنگلا دیش ہیں شمال کی جانب سے چین اور جنوب میں خلیج بنگال اور ملیشیا واقع ہے۔

اول اول شعاع اسلام کی بوچھار سرزمین برما پر اراکان کے راستے سے عرب تاجروں کے توسط سے پہنچی۔ ان کے امیر کارواں مشہور صحابی وقاص بن مالکؓ تھے۔ اس سفر میں انکے رفقاء بعض تابعین اور تبع تابعین تھے۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب عرب تجارت کی غرض سے ملک کے طول و عرض میں سفر کررہے تھے۔ اسی دوران ایک سفر میں ان کی کشتی طوفانی حادثہ کا شکار ہوگئی یہ واقعہ بنگال کے قریب ''اراکان نامی'' ایک ساحل سمندر کے قریب پیش آیا تھا۔ جس میں یہ کارواں باذن الٰہی خیر وعافیت سے بچ نکلا اور بعد میں ان لوگوں نے ''اراکان'' میں ''رمجی'' نامی جزیرے میں مستقل قیام کرنے کا عزم مصمم کرلیا اور اس سرزمین کی عورتوں سے شادیاں بھی کرلیں۔

ان کے قلوب آقائے مدنی کے ارشادات سے لبریز تھے آپ کا یہ مشہور پیغام ہروقت ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا ''میرے پیغام کو عام کرو چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو'' اور آپؐ کا ارشاد جو آپؐ نے آخری حج میں فرمایا تھا'' ''آج جو تم میں سے یہاں حاضر ہے وہ میرا پیغام اس آدمی تک پہنچائے جو یہاں موجود نہیں ہے۔''

آپؐ کے مندرجہ بالا ارشاد کے پیش نظر ان لوگوں نے اسلام کی ہمہ گیر تعلیم کی طرف حکمت اور دانشمندی کے ساتھ دعوت دینا شروع کردیا تھوڑے ہی وقت میں لوگ کثرت کے ساتھ آغوش اسلام میں آنے لگے۔ بعد میں دنیا کے ہر گوشوں سے دعاۃ اس سرزمین پر قدم رکھتے رہے اور مرور ایام کے ساتھ اہل اسلام اس سرزمین میں اقلیت سے اکثریت کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔

آخر کار وہ مبارک دن بھی آیا جب اس سرزمین کے مسلمان سیمان شاہ کے ہاتھو اراکان

میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے پر قادر ہوگئے یہ اسلامی ریاست ساڑھے تین سو سال تک برگ و بار لاتی رہی، پھلتی اور پھولتی رہی۔ لیکن بعض اندرونی عوامل و محرکات کی وجہ سے دنیا کی دوسری اسلامی ریاستوں کی طرح اس شاداب و ترقی یافتہ اسلامی ریاست کا بھی ۱۷۸۴ء میں بدھ مت کے ماننے والوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوگیا اور اسلام کا یہ روشن ستارہ ڈوب گیا۔

اسلام کی اشاعت:۔

انہیں سعید روحوں کے توسط سے اسلام کی پہلی کرن برما کے اطراف و جوانب کھیت و کھلیان، پہاڑ و وادیوں تک پہنچی اور آج ملک کی پچاس ملین آبادی میں تقریباً دس ملین مسلمان ہیں جب کہ مسلم آبادی کا بڑا حصہ صرف اراکان میں سکونت پذیر ہے بقیہ لوگ ملک کے مختلف قصبات و دیہات میں مقیم ہیں ملک کی مجموعی آبادی میں مسلمان بیس فیصد ہیں۔ لیکن اراکان میں مسلمان ۷۰ فیصد ہیں۔ جن میں صرف دو ملین روہنگی نسل کے مسلمان ہیں جن کی اکثریت دنیا کے مختلف ملکوں میں ہجرت و جلاوطنی کی زندگی کاٹ رہی ہے۔

ابتلاء و آزمائش:۔

برما نے جب ۱۷۸۴ء میں 'اراکان' پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی اس وقت سے برمی حکومت اس سرزمین سے مسلمانوں کا صفایا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ لیکن ۱۸۲۴ء میں برما بھی مغربی کالونیوں کا ایک حصہ بن گیا۔ لیکن مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں یہ ملک پھر ۱۹۴۸ء میں مغربی استعمار سے آزاد ہوا اور اپنی آزاد حکومت قائم کرلیا آزادی کے حصول کے بعد سب سے اہم و بڑا کام جو اس حکومت نے کیا وہ یہ کہ اس سرزمین کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کا بے پناہ خون بہایا ان کو [illegible] بچانے پر ملک کی مختلف ریاستوں سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا یہاں تک کہ ملک کی راجدھانی "رنگون" میں ان کو بسنے نہیں دیا گیا بے پناہ مسلمان شہید کیے گئے اور صرف راجدھانی سے پانچ لاکھ مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا اراکان کے جنوب میں ۱۹۴۲ء میں بدھ مت سے تعلق رکھنے والے فسادیوں نے ریاستی حکومت کے تعاون سے مسلمانوں کا زبردست قتل و خون کیا ان کے مال متاع کو لوٹ لے گئے۔ فصلوں اور گھروں کو اجاڑ دیا اس شازش کے نتیجے میں تقریباً ایک ہزار مسلمانوں کی جانیں تلف ہوگئیں۔

۱۹۴۸ء میں برٹش حکومت کے چنگل سے آزاد ہونے کے بعد سب سے اہم ہدف جس کی حصول یابی کے لئے برمی حکومت کوشاں تھی وہ یہ تھا کہ وہ برما کے اندر تمام نسلوں اور اقلیت میں پائی جانے والی قوم کو برمی رنگ میں رنگ دینا چاہتی تھی لیکن وہ قطعاً اپنا ہدف نہ پاسکی خصوصاً مسلمانوں نے استقامت کی راہ اپنائی اور قرآن و سنت سے اپنا تعلق مضبوطی سے جوڑے رکھا جس کے باب میں آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا" میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں تم ہرگز میرے بعد نامراد نہیں ہوں گے جب تک تم ان سے اپنا تعلق جوڑے رکھو گے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب "قرآن" اور دوسری اس کے رسول کی سنت مطہرہ"۔

ان چند سالوں کی تاریخ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس سرزمین کا کوئی بھی مسلم مرتد نہیں ہوا۔ اور بدھ مت یا کسی اور دوسرے دین کو قبول نہیں کیا۔

جب برمی حکومت نے اپنے اس تیر کو نشانے پر لگتا ہوا نہیں پایا تو اس نے دوسری حکمت عملی اپنائی اپنے موقف کے اندر تبدیلی پیدا کی۔ اس حکمت عملی سے وہ مسلمانوں کا قلع قمع کردینا چاہتی تھی اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت کو نیست و نابود کردینا چاہتی تھی۔ اس غرض سے اس نے مسلمانوں کا جم کر خون بہایا، ان کے مال اسباب لوٹ لئے کثرت سے مسلمانوں کو دوسرے ممالک جلاوطن کیا ان کے اصل ڈھانچہ کو مٹانے کی مسلسل کوشش کی شعائر اسلام کو پارہ پارہ کیا ان کی تہذیب و ثقافت اسکے تاریخی و مشاہیر کارنامے اور علامتوں میں تبدیلیاں کی یا ان کو منہدم کردیا۔ نفرت و حقارت کی مسموم فضا مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات ہر اس شخص میں پیدا کی جو اس سرزمین پر آباد تھا۔ غرض ظلم و بربریت کی تاریخ مسلسل دہرائی جاتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۶۲ء میں ملک کے مسند اقتدار پر فوج قابض ہوگئی۔ ظلم و عدوان کی وہ فضاء جو پچھلے برسوں میں کبھی ہلکی پڑتی نظر آئی تھی اس نئی حکومت نے اس کے اندر اور شدت پیدا کردی۔ اور ان پر ظلم و ستم کے بے پناہ پہاڑ توڑے گئے۔ ۱۹۷۸ء میں تین لاکھ مسلمانوں کو بنگلہ دیش کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں بے چارہ مسلمانوں کی برمی شہریت کو اس بنیاد پر کالعدم کردیا گیا کہ یہ لوگ ۱۸۲۴ء کے بعد اس سرزمین میں آکر آباد ہوگئے تھے یہ وہ عرصہ ہے جب انگریز اس سرزمین پر غالب ہوئے تھے۔

حالانکہ واقعات اور تاریخ دونوں اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ ۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۲ء کے

عرصے میں ایک بار پھر تین لاکھ مسلمانوں کو بنگلادیش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور کیا گیا۔ اس طرح روز مرہ مسلمان بنگلادیش اور دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ جن حالات سے برمی مسلمانوں کا سامنا ہو رہا ہے وہ بہت ہی عبرت ناک ہے۔ وہ لوگ انسانی حقوق کے نہایت ہی ادنی حقوق سے بھی محروم ہیں وہاں لاکھوں ہی بچے بوسیدہ لباس، پژمردہ چہرے، ننگے پیروں کے ساتھ سڑکوں گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے حیرت و پریشانی، غم والم کی داستان جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں کیونکہ ان آنکھوں نے ظالم "گوتم بدھیوں" کے ہاتھوں بے پناہ مظالم سہے ہیں۔ ملک کی فضا آج یتیموں، معصوموں، بیواؤں کی چیخ و پکار سے بوجھل ہوتی جارہی ہے۔ ان کے جوان سال بیٹوں اور شوہروں کو راتوں کو گھروں سے حکومت اٹھا لے جاتی ہے۔ اور درختوں کے تنوں میں ان کے جسموں کو کیل سے معلق کر دیا جاتا ہے۔ ان کے ناک وکان کاٹ دیے جاتے ہیں۔ ان کو ایسی گھناؤنی اور سخت سزائیں دی جاتی ہے جو اہل فراعنہ کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔ ان کی مسجدوں، مدرسوں کو منہدم کیا جارہا ہے۔

حقوق انسان کی پامالی:۔

حالیہ چند سالوں کے اندر مسلمان کی افزائش نسل کو روکنے کے لئے چند گھناونے قوانین حکومت نے وضع کئے ہیں۔ ایک قانون یہ ہے کہ مسلم لڑکیاں اس وقت تک شریک سفر منتخب نہیں کر سکتی جب تک کی ان کی عمر ۲۵ رسال کی نہ ہو جائے اور لڑکوں کو شادی کرنے کا حق ۳۰ سال سے کم عمر میں نہیں ہے۔ لیکن مندرجہ بالا شرائط کی تکمیل کے بعد بھی کوئی شادی کرنے کا حق نہیں رکھتا ہے جب کہ وہ شادی کے لئے علاقی سیکورٹی فورس سے تحریری اجازت نہ حاصل کرلے۔ لیکن یہ اس ملک کے مسلمانوں کی عجیب بدقسمتی ہے کہ مذکورہ شرائط کے بعد بھی ادارہ اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک کی ایک خطیر رقم اہل ادارہ کو بطور رشوت نہ دے دی جائے۔ اگر کوئی مسلمان ان قوانین کو پامال کرتے تو اس کی شادی کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے شوہر کو چھ ماہ جیل کی سزا کاٹنی پڑتی ہے اور پانچ لاکھ برمی سکے بطور جرمانہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ کسی بھی بڑے شہر میں جہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہوں صرف ادارہ ہر سال میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کی اجازت دیتا ہے۔ اس کا صرف اور صرف مقصد یہ ہے

کہ مسلمانوں کی افزائش نسل کو ختم کر دیا جائے۔

ان قوانین کی ایک شق شعائر اسلام کے استہزاء پر مبنی ہے یہ شق اس سرزمین میں ملت اسلامیہ کے وجود کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے اور یہ وہ قانون ہے جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ قانون مسلم خاتون کو مجبور کرتا ہے کہ وہ "حاملہ" ہونے کی صورت میں علاقائی امن فورس کے ادارہ "ناساکا" میں حاضری دے تاکہ اس کی تصویر اس کے رنگین و خوبصورت چہرے و کھلے پیٹ کے ساتھ لی جائے اور ایسا عمل ہر ماہ میں ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ وضع حمل سے فارغ نہ ہو جائے۔ مسلم خاتون کو ہر ماہ ایک بڑی رقم بھی ادا کرنی پڑتی ہے کیونکہ ادارے کا یہ کہنا ہے کہ یہ رقم جنین کی حفاظت و ولادت کے بعد بچے کی مردم شماری میں کوئی دقت نہ پیدا ہو ان اغراض کی خاطر لیتا ہے۔ لیکن حقیقت کی زبان یہ کہتی ہے کہ اس کا واحد مقصد اسلام اور مسلمان کا استہزاء مقصود ہے اور مسلمانوں کو بتلانا ہے کہ عزت و شرافت کی زندگی برمی سرزمین پر ان کے لئے خواب پریشاں کے مماثل ہے۔

دوسرا کام جس کو حکومت شروع سے انجام دے رہی ہے وہ یہ ہے کہ مختلف قوانین و حیلہ بازی سے مسلمانوں کو ان کی ملکیت، زمین جائداد سے بڑے پیمانے پر محروم کر رہی ہے اور ان کی املاک کو بدھ مت کے ماننے والوں کو دے رہی ہے۔ بڑے پیمانے پر ایسے دیہاتوں میں بدھ مت کے ماننے والوں کو مسلمانوں کے بنائے ہوئے گھروں میں آباد کیا جارہا ہے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی طرح سے تمام علاقے دیہات سے شہر تک سب بدھ مذہب کے تابع ہو جائیں۔ غلبہ و تسلط سب کا سب صرف انہیں کا ہو جائے۔ ایسے ہی دینی، سیاسی و سماجی انتشار کے عالم میں برمی مسلمان سانس لے رہے ہیں ان تمام ناخوشگوار حالات کی ذمہ دار حکومت برما ہے۔ جو نئے قوانین و اصول وضع کر رہی ہے جن کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو ہراساں و پریشان کر رہی ہے ان کی تہذیب و ثقافت کو مٹا رہی ہے۔ شعائر اسلامی کا مذاق اڑا رہی ہے مسجدوں و مدرسوں کو برباد کر رہی ہے اور نئی مسجدوں کی تعمیر پر پابندی عائد کر رہی ہے۔ ابھی حالیہ دنوں میں حکومت نے کچھ ایسے اصول وضع کئے ہیں جو اسلام پسندوں کو حکومتی ادارے و آفسوں میں اسلامی شعائر کی پابندی کرنے سے روک رہے ہیں جو بھی ادارہ حکومت کے ان اصولوں و قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنی تنخواہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

آہ وزاریاں:۔

یقیناً برمی مسلمانوں کا مسئلہ صرف ابتلاء وآزمائش سے عبارت ہے یہ ہر پہلو سے موجودہ دور میں نوع انسانیت پر ہونے والا عظیم خودشہ ہے اور اقوام عالم کے باب میں سنگین جرم ہے یہ وہ سنگین جرم ہے جو سراسر بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی پر مبنی ہے۔ سرزمین برما میں انسانیت کی نسل کشی صرف برما کے وجود ہی کے لئے خطرناک نہیں ہے بلکہ اقوام متحدہ کے منشور اور حقوق انسانی کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں اقوام متحدہ کو اپنا رول ادا کرنا چاہئے کیونکہ وہ عالم انسانیت کا خود کو سب سے بڑا موجودہ دور میں نجات دہندہ گردانتی ہے۔

دوسری جانب برما کے بیتا تواں و کمزور مسلم نوجوان مرد و عورتیں، بچے ملت اسلامیہ سے فریاد کر رہے ہیں اور اپنی مدد کے لئے اسلامی اداروں اور حکومتوں کو آوازدے رہے ہیں۔ تو کیا ہے کوئی جو ان کی آواز پر لبیک کہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا! "المسلمون فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم کجسد واحد اذا اشتکی منه عضو" تداعی له سائر الاعضاء بالسھر والحمی۔

ان کے حالات اپنی زبان حال سے ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ بڑھ کر وہ قدم اٹھائیں جو ان کے بس میں ہوتا کہ یہ ناتواں مسلم بچے وعورتیں بوڑھے و کمزور، ظالم و متکبر برمی حکومت سے نجات حاصل کرسکیں۔

دوسری طرف وہ اپنی دعاؤں میں اپنے رب سے یہ التجا کر رہے ہیں۔

اے رب ہم کو اس علاقے سے نکال جن کے حکمراں ظالم ہیں تو اپنے پاس سے ہمارے لئے ولی مقرر کر اور اپنی جانب سے ہمارے لئے ہمارا مددگار بنا (النساء ۱۵)

تو ہے کوئی مدد کرنے والا جوان کی مدد کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اگر مسلمان تم سے دین کے تعلق سے مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب ہے۔"

(انفال) (بشکریہ "التقویٰ")

مقالات

آذربائجان: ایک نظر میں

صدر: حیدر علی یوف (۱۹۹۳ء)
وزیر اعظم: رشی زادہ آرتر (۱۹۹۶ء)
رقبہ: ۳۳ ہزار ۴۳۶ مربع میل (۸۶ ہزار ۶۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی: ۸۷ لاکھ تقریباً
شرح افزائش: ۰.۹ فی صد
شرح پیدائش: ۱۹ (فی ہزار)
شرح اموات اطفال: ۸۳ (فی ہزار)
گنجانی آبادی: ۲۳۳ فی مربع میل
دارالحکومت: باکو (آبادی ۱۱۸ لاکھ)
بڑے شہر: گنجہ (۳ لاکھ)، سمگیٹ (ڈھائی لاکھ)
سکہ: منات (تقریباً ۵ ڈالر کے برابر)
زبانیں: آذری ۸۲ فیصد، روسی ۷ فیصد، آرمینی ۲ فیصد
نسلیں: آذری ۹۰ فیصد، داغستانی ۳ فیصد، روسی ۳ فیصد
مذہب: مسلمان ۸۷ فیصد زیادہ تر شیعہ عیسائی ۸ فیصد و دیگر
شرح خواندگی: ۹۷ فیصد
کل قومی پیداوار: ۲۳.۵ ارب ڈالر سالانہ
فی کس آمدنی: تین ہزار ڈالر سالانہ
شرح افزائش: ۱۱.۳ فی صد سالانہ
شرح افراط زر: ۱.۸ فی صد

قابل کاشت رقبہ: ۱۸ فیصد
زراعت: کپاس، گندم، چاول، پھل، سبزیاں، چائے، تمباکو، مویشی، بھیڑ بکریاں
اہل محنت: کل ۳۰ لاکھ۔ زراعت و جنگلات میں ۳۲ فیصد، صنعت اور تعمیرات میں ۱۵ فیصد، خدمات میں ۵۳ فیصد۔
صنعت و حرفت: پٹرولیم اور مصنوعات، قدرتی گیس، فولاد، کچا لوہا، سیمنٹ، کیمیاوی اشیاء، پارچہ بافی
قدرتی وسائل: پٹرولیم، قدرتی گیس، کچا لوہا، ایلومینیم
برآمدات: ۱.۹ ارب ڈالر (۲۰۰۱ء) تیل اور گیس ۷۵ فیصد، مشینری اور پرزہ جات، کپاس، غذائی اجناس۔
درآمدات: ۱.۳ ارب ڈالر (۲۰۰۱ء)۔ مشینری اور پرزہ جات، کیمیاوی اشیاء، دھاتیں۔
تجارتی ساتھی: ترکی، اٹلی، روس، جارجیا، ایران، یوکرائن، متحدہ عرب امارات۔
بڑا مسئلہ: ملک کے وسط میں نگورنو قراباغ میں عیسائیوں کی تحریک آزادی۔

آذربائیجان ایک نہیں دو ہیں ایک ایران کا صوبہ ہے دوسرا آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ اس مضمون کا تعلق ملک آذربائیجان سے ہے۔ جو اقوام متحدہ اور اسلامی سربراہ کانفرنس (او آئی سی) کا رکن ہے۔

آذربائیجان بارہ برس پہلے اگست ۱۹۹۱ء تک یونین آف سوشلسٹ ری پبلکس (یو ایس ایس آر) پر مشتمل پندرہ جمہوریاؤں میں سے ایک تھا۔ اس کے شمال میں روس مغرب میں جارجیا اور آرمینیا اور جنوب میں ایران واقع ہے۔ بحیرہ کیسپین اس کے مشرق میں واقع ہے۔ آرمینیا کی ایک لمبی پٹی آذربائیجان کے اندر جنوب میں اس بے دردی سے کھسک چلی گئی ہے کہ آذربائیجان کی مسلم آبادی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے کیونکہ اس پٹی میں زیادہ تر عیسائی آباد ہیں۔

تاریخی پس منظر:

آذربائیجان (ایرانی صوبے) اور آذربائیجان (ملک) دونوں کا جغرافیہ روس کی ہوس ملک گیری کے سبب مختلف ہے لیکن دونوں کے باشندوں کی تاریخ، تہذیب اور معاشرت مشترک ہے۔ یہ علاقہ جنرل آٹرپاتی (Atropates) کے نام پر موسوم ہے جس نے سکندر اعظم کے حملے کے وقت (۳۲۸ قبل مسیح میں) اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی مملکت بچالی تھی۔ اٹرپاتی دراصل پارتی مذہب کا عہدہ بھی تھا اور اس شخص کا ذاتی نام بھی۔ سکندر اعظم نے اس شخص کی لیاقت دیکھ کر شہر "بان" اسے بخش دیا۔ جو بعد میں اسکے نام پر "آٹرپاتی" سے ہوتا ہوا آذربادگان، پھر آذربائیگان اور اب آذربائیجان کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کا شہر ارومیہ (جدید رضائیہ) زردشت کی جائے پیدائش ہے، اور اسی وجہ سے ظہور عیسائیت سے پہلے پورا خطہ مجوسیت کی گرفت میں تھا۔

جنرل آٹرپاتی کے خاندان نے ایرانی اشکانیوں کے عہد میں عروج حاصل کیا اور اسکے افراد نے شاہی خاندان میں شادیاں کیں۔ اس خاندان کے آخری رکن نے ۳۸ء عیسوی میں روما میں وفات پائی اس وقت تک ایران کے اشکانی حکمران اس خاندان کی مملکت کو اپنی سلطنت میں شامل کر چکے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں آذربائیجان کا حاکم ایک مرزبان ہوا کرتا تھا۔ ساسانی عہد کے اواخر میں یہ علاقہ ہرمزد کے خاندان کے قبضے میں تھا۔ آذربائیجان کا صدر مقام شیز تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں جھیل ارمیہ کے جنوب مشرق میں اب شہر لیلان کے کھنڈر موجود ہیں، جہاں ایک بڑا آتش کدہ تھا۔ جس کی زیارت کے لئے ساسانی بادشاہ تخت نشینی کے وقت آیا کرتے تھے۔

ورود اسلام:

مسلمانوں کی فتح آذربائیجان کا حال ۱۸ تا ۲۲ ہجری / ۶۳۹ تا ۶۴۳ء میں تواریخ میں تفصیل سے درج ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں حذیفہ بن الیمانؓ نے نہاوند سے چل کر آذربائیجان کا پورا علاقہ فتح کیا تھا۔ دوسری مہمات کی ابتداء شہر زور سے ہوئی۔ حذیفہؓ نے حکمران مرزبان سے، جس کا صدر مقام اردبیل میں تھا، معاہدہ کیا تھا، جس کی رو سے ایرانی حاکم نے آٹھ لاکھ درہم دینا منظور کیا اور حذیفہؓ نے وعدہ کیا کہ وہ ان میں سے کسی کو نہ قتل کرے گا، نہ اسے غلام بنائے گا، ان کے آتش کدوں کو مسمار نہیں کرے گا، لوگوں کو ان کی مروجہ رسوم کی ادائیگی سے نہ روکے گا اور کردوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے گا۔

بابک خرمی کی بغاوت کے بعد آذربائیجان پر خلافت عباسیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور چند مقامی حکمران خاندان ابھر آئے۔ خارجیوں نے بھی بغاوت کر دی جو نیم عرب اور نیم کرد تھے۔ پھر مرزبان بن محمد دیلمی نے جو مذہبی عقیدہ کی رو سے باطنی تھا، آذربائیجان پر قبضہ کر لیا۔ دیلمی خاندان کے بعد کردوں نے (۹۸۳ تا ۱۰۷۰ء) اس ملک کی حکومت سنبھالی۔

گیارہویں صدی عیسوی میں سلجوقیوں کے عہد میں ترک غزوں نے شروع شروع میں چھوٹے چھوٹے جتھوں کی شکل میں اور بعد میں بڑی بڑی جمعیتوں کی صورت میں آذربائیجان اور ماوراء قفقاز (کوہ قاف کے پار) کے علاقوں (جارجیا اور آرمینیا) کی ایرانی آبادی ترکی زبان بولنے لگی۔ ۱۱۳۶ء میں آذربائیجان اتابک ایلدگز کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۲۲۵ء تا ۱۲۳۱ء صرف گیارہ سال یہاں خوارزم شاہ جلال الدین کا قبضہ رہا۔ مگر اس کے تعاقب میں منگول یہاں آ پہنچے۔ ہلاکو خان نے بغداد پر چڑھائی سے دو سال پہلے ۱۲۵۶ء میں آذربائیجان پر قبضہ کر کے اسے ایک وسیع سلطنت بنا دیا جو دریائے جیحوں سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ منگولوں کا صدر مقام پہلے مراغہ تھا۔ ہلاکو خان نے تبریز کو صدر مقام بنایا، جو تجارت اور ثقافتی زندگی کا بڑا مرکز بن گیا۔ چودھویں صدی میں یہ علاقہ امیر تیمور نے فتح کیا۔ اس کے بعد ترکمانوں کے قبضے میں چلا گیا جن کا دارالحکومت تبریز تھا (۱۳۷۸ء تا ۱۵۰۲ء)۔

۱۵۰۲ء کے بعد آذربائیجان صفویوں کی پناہ گاہ اور بڑا مرکز بن گیا۔ وہ خود اردبیل کے رہنے والے تھے اور مقامی ایرانی بولی بولتے تھے۔ اس اثناء میں ۱۵۱۴ء اور ۱۶۰۳ء کے درمیان تبریز اور اس صوبے کے بعض دوسرے حصوں پر کئی بار عثمانی ترکوں کا قبضہ رہا۔ شاہ عباس صفوی نے ایرانی اقتدار بحال کیا، لیکن ایران پر افغانوں کے حملے کے دنوں میں (۱۷۲۲ء تا ۱۷۲۹ء) عثمانیوں نے پھر آذربائیجان اور ایران کے دوسرے مغربی صوبوں پر قبضہ جما لیا، یہاں تک کہ نادر شاہ نے انہیں یہاں سے باہر نکالا۔

قاچاریوں کا عہد حکومت شروع ہوا تو آذربائیجان تخت کے ورثاء کا روایتی مسکن بن گیا۔ شمال میں روس کے ساتھ سرحدی حد بندی دریائے ارس کے ساتھ ساتھ ۱۸۲۸ء میں ہوئی (معاہدہ ترکمان چای)۔ ترکی کے ساتھ مغربی سرحدوں کی حد بندی ۱۹۱۳ء میں ہوئی۔

سیاسی جدوجہد:۔

۱۹۰۵ء کے بعد آذربائیجان کے نمائندوں نے انقلاب ایران کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۳ر اپریل ۱۹۰۹ء کو برطانیہ کی رضامندی سے روسی فوجیں تبریز کی غیر ملکی بستیوں کی حفاظت کے بہانے آذربائیجان میں داخل ہوگئیں، لیکن بعد ازاں مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے قیام کو طول دیتی رہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں، جن میں فتح ایک کی ہوتی کبھی دوسرے کی۔

۱۹۱۷ء میں جب روس میں اشتراکی انقلاب برپا ہوا تو اگلے برس زار روس کی شاہی فوجوں کی شکست فاش کے بعد اتحادیوں نے ۱۷ر اگست ۱۹۱۸ء سے ۱۴ر ستمبر ۱۹۱۸ء تک روس کی طرف سے شہر باکو پر تحفظ کے خیال سے قبضہ کر لیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۸ء کو ترکی فوجوں نے نوری پاشا کے زیر قیادت باکو پر قبضہ کیا اور سابقہ صوبے کو آذربائیجان کا نام دے کر اس کا نظم ونسق نئے سرے سے قائم کیا۔ صوبے کو یہ نام دینے کی توجیہ یہ کی گئی کہ اس کی ترکی زبان بولنے والی آبادی ایرانی صوبے آذربائیجان کی ترکی زبان بولنے والی آبادی کے مماثل ہے، اس لئے اس شمالی علاقے کا نام بھی وہی ہونا چاہئے جو (ایرانی) آذربائیجان کا ہے۔ آذربائیجان کے دونوں حصوں کے درمیان سرحدی حد بندی کے بعد جب اتحادیوں نے باکو پر ۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دوبارہ قبضہ کر لیا تو تاتاریوں کی حزب مساوات (نیشنلسٹ پارٹی) کی اسی حکومت کو جو آذربائیجان میں پہلے سے موجود تھی، واحد حکمران جماعت تسلیم کر لیا۔ اتحادیوں نے روس سے کئے گئے معاہدے کے تحت علاقے سے اپنی فوجیں نکال لیں۔ روس کی ریڈ آرمی ۲۸ر اپریل ۱۹۲۰ء کو کسی قسم کی مسلح بغاوت کے بغیر باکو میں داخل ہوئی اور سوویتی حکومت کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ دو سال بعد ۱۹۲۲ء میں آذربائیجان کا الحاق ماورائے قفقاز سوویت وفاقی سوشلسٹ ری پبلک سے کر دیا گیا جو دو جمہوریتوں یعنی آرمینیا اور جارجیا پر مشتمل تھی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۹۰ء تک مسلسل ستر برس آذربائیجان حقیقی آزادی کی نعمت سے محروم رہا۔ شدید نوعیت کے اقتصادی مسائل سے نمٹنے کے لئے روسی صدر گورباچوف نے بحالی نو (پریسترویکا) اور زیادہ آزاد عملی (گلاسنوسٹ) کی اصلاحات نافذ کیں، جن کا عمل دخل معیشت وصنعت کے علاوہ معاشرت میں بھی ہوا۔ مغرب سے تخفیف اسلحہ کے معاہدے ہوئے، جن کی بنا پر فوجی اخراجات میں خاصی کمی ہوئی، جس کا

معاشی صحت پر خوشگوار اثر ہوا۔ اندرون ملک اختلاف رائے کو برداشت کیا جانے لگا۔ آئین میں اصلاح و ترمیم کر کے آزادانہ انتخابات کی راہ ہموار کی گئی، جس سے کمیونسٹ پارٹی کے واحد سیاسی قوت ہونے کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ۱۹۸۹ء کے عام انتخابات میں بڑے بڑے مشہور کمیونسٹ لیڈروں کو اصلاح پسندوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست ہوئی، جس کے نتیجے میں سوویت یونین میں شامل ریاستوں میں یونین کو توڑنے اور آزادی حاصل کرنے کی تحریک شروع ہوئی۔ ۱۹۹۰ء میں بعض دوسری جمہوریاؤں کی طرح آذربائیجان نے بھی اپنی آزادی اور خود مختاری کی قرارداد پاس کی اور اگست ۱۹۹۱ء میں آزادی کا اعلان کر دیا۔

۱۳ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو پانچ وسط ایشیائی جمہوریاؤں (قزاقستان، ازبکستان، کرغستان، تاجکستان، اور ترکمانستان) کے لیڈروں کا ایک اجلاس قزاقستان کے دارالحکومت الماتا میں منعقد ہوا، جس میں سوویت یونین کے خاتمے اور آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ (COMMONWEALTH OF INDEPENDENT STETES) قائم کرنے کا اعلان ہوا۔

۲۱ر دسمبر ۱۹۹۱ء کو الماتا ہی میں ایک اور تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں گیارہ جمہوریاؤں نے سوویت یونین (یو ایس ایس آر) کے مکمل خاتمے اور آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ (C.I.S.) میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ ان میں آذربائیجان بھی شامل تھا جس کے صدر ایاز مطلبوف نے اجلاس میں ایک پرزور تقریر کی تھی۔

جنوری ۱۹۹۲ء میں عوامی ریفرنڈم ہوا جس میں ۹۹٫۶ فیصدی لوگوں نے آزادی کے حق میں رائے دی۔ ستمبر ۱۹۹۳ء میں آذربائیجان نے اقوام متحدہ اور اسلامی سربراہ کانفرنس (O.I.C) کی رکنیت اختیار کی۔ سوویت یونین سے آزاد ہونے کے بعد ایاز مطلبوف آزاد آذربائیجان کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ مئی ۱۹۹۲ء میں "پاپولر فرنٹ" نے مطلبوف کا تختہ الٹ دیا۔ نئے انتخابات کرائے گئے۔ پاپولر فرنٹ کے امیدوار ابوالفضل ایلچی بے کامیاب ہو کر نئے صدر ہوئے۔ وہ دو نکاتی انتخابی منشور کی بنیاد پر کامیاب ہوئے تھے، یہ کہ آذربائیجان "آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ" سے الگ ہو جائے گا، دوم یہ کہ نگورنو قاراباخ کو آرمینیا کے فوجی شکنجے سے نکال کر اس پر دوبارہ کنٹرول کیا جائے گا۔ [illegible] ۱۹۹۳ء میں [illegible] میں عام انتخابات ہوئے اور ڈالے گئے ووٹوں کا ۹۸٫۸ فی صد لے کر حیدر علی یوف صدر [illegible] منتخب ہوئے۔ حیدر علی یوف روس کی سراغ رساں ایجنسی "کے جی بی" کے اعلیٰ عہدے دار رہ چکے ہیں۔ آذربائیجان کی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر ہیں۔ آذربائیجانی قوم پرستی ان کا سیاسی منشور ہے جس کی تشہیر وہ اپنے زوردار خطابات سے کرتے رہتے ہیں۔

۱۹۹۹ء [illegible]

دینی ماحول:

آذربائیجان پر روس کے قبضے کے وقت یہاں کی آبادی ۸۰ فیصد شیعوں اور ۲۰ فیصد سنیوں پر مشتمل تھی۔ سنی زیادہ تر شمال میں داغستان کے قریبی علاقے میں رہتے تھے۔ شیعوں کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ ایران کے صفوی خاندان کے حکمران ایک عرصے تک آذربائیجان پر براہ راست حکومت کرتے رہے ہیں۔ اپنے عہد میں انہوں نے یہاں فارسی زبان اور شیعیت کو فروغ دینے کی پوری پوری کوشش کی۔ روسیوں نے ایران سے دو بڑی جنگیں کر کے اس علاقے کو فتح کیا۔ پہلی جنگ ۱۸۱۳ء کے معاہدۂ گلستان اور دوسری جنگ ۱۸۲۸ء کے معاہدۂ ترکمان چائی کے نتیجے میں ختم ہوئی اور ایران دونوں معاہدوں کے تحت روس کے حق میں دست بردار ہوا۔ ۱۸۲۸ء تک آذربائیجان روس کے براہ راست فوجی اقتدار میں آ گیا تھا۔

روس کے زارشاہی عہد ستم میں مسلمان علمائے دین کا اثر و رسوخ بہت تیزی سے کم ہونے لگا۔ شاہی قانون کے تحت شریعت کو رواج کے قوانین کا پابند بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کے اوقاف اور ان کے املاک بحق سرکار ضبط کر لئے گئے۔ یوں علماء کے مذہبی و انتظامی فرائض و اختیارات زارشاہی کی بیوروکریسی نے سلب کر لئے۔ ان کی معاشی حالت خود بخود ابتر سے ابتر ہوتی چلی گئی۔

زار حکومت کی بنیادی پالیسی، جس نے روس کے دیگر مقبوضات کی طرح آذربائیجان سے بھی علمائے دین کا صفایا کر دیا، یہ تھی کہ ۱۸۷۲ء میں دو مذہبی بورڈ بنائے گئے ایک شیعوں کا بورڈ اور ایک سنیوں کا بورڈ۔ مقصد یہ تھا کہ جس طرح روسی عیسائیوں کے دینی امور کے تصفیے کے لئے "مجلس کلیسا" بنا دی گئی تھی جس کی نگران حکومت تھی، اسی طرح مسلمانوں کے "چرچ" اور اسلام کے نام لیواؤں کے دینی امور بھی ایسی مجلس کے تحت کر دیئے جائیں جس کا کنٹرول حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ ہر مجلس کا ایک صدر تھا جس کا تقرر حکومت کرتی تھی۔ شیعہ بورڈ کا صدر شیخ الاسلام کہلاتا تھا اور سنی بورڈ کا صدر مفتی کہلاتا تھا۔ صدر کی نیابت کے لئے چند ارکان بھی ہوتے تھے۔ جن کا انتخاب اور تقرر حکومت کرتی تھی۔ ہر صوبے میں صدر کا انتظامی دفتر (مع عدالت) ہوتا تھا۔ اس وقت آذربائیجان کے چار صوبے تھے: تفلس، اریوان، گنجہ اور باکو۔ دونوں مجلسوں کا نظم و نسق زارشاہی کی وزارت داخلہ کے سپرد تھا۔ صدر مجلس کے تحت جتنے بھی مولوی، ملا تھے، وہ سب سرکاری حکام کے قانونی دائرہ اختیار میں تھے۔ وہ سب اپنے صدر مجلس سے زیادہ سرکاری ملازم کے سامنے جواب دہ تھے۔

حکومت نے قواعد و ضوابط نافذ کئے تھے، جن کے تحت ملا اور قاضی اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ان کے سینئر جونیئر ہونے اور عہدے داری کا سارا حفظ مراتب کا نظام سرکار نے بنا دیا تھا کہ اس

درجہ کے ملا کے کیا فرائض و اختیارات و مراعات ہوں گے اور کوتاہی اور غفلت کی صورت میں وہ کن کن سزاؤں اور جرمانوں کا مستحق ہوگا۔ ہر بڑے سے بڑے علامہ سے لے کر چھوٹے ملا تک کو زار کے لئے حلف وفاداری اٹھانا پڑتا تھا۔ یہ کہ "وہ حکومت کے قوانین و احکام و ہدایات کی صدق دل سے پاسداری کرے گا"۔ یہ کہ وہ "اپنے ہم مذہبوں کو بھی شاہنشاہ معظم کی پختہ وفاداری کی تلقین و تحریک کرے گا"۔ "سرکاری حکام کی پوری اطاعت کرے گا"۔

حکومت نے مذہبی املاک کے بارے میں ایسے قوانین بنائے جن سے "وقف" کی تعریف ہی یکسر بدل گئی اور اسلام میں لفظ "وقف" کو جو تحریم و تقدیس حاصل ہے اس نے کوئی اور ہی مفہوم اختیار کر لیا۔ کسی مسلمان شخص یا جماعت یا ادارے کے پاس جو بھی جائیداد یا چیز یا نقدی ہے وہ گویا "وقف" میں شامل ہے۔ یہ تمام مذہبی املاک حکومت جب چاہے "نیلامی" کے ذریعے فروخت کر سکتی ہے۔ دو مسلمان کے باہمی تنازعے کا تصفیہ اسلامی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ حکومت کے نافذ کردہ سول قانون کے مطابق ہوگا۔

بیسویں صدی کے آتے آتے روس میں زارشاہی کمزور پڑ گئی اور وہاں قومی تحریک نے زور پکڑا۔ اس وقت تک ایک صدی کے زاریت کے مظالم سہتے سہتے مسلمانوں کی انتظامیہ بھی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ یہ درست ہے کہ حکومت کے دباؤ کے تحت سنی شیعہ فرقہ واریت نے جبری امن و امان کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اسلام کے دونوں بڑے فرقوں میں ہم آہنگی کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ۱۹۰۵ء اور پھر ۱۹۰۶ء میں "آل رشین مسلم کانگریس" میں سلطنت روس کے سنی علماء نے اتفاق رائے سے شیعیت کو پانچواں فقہی مکتب تسلیم کر لیا۔ علاوہ ازیں ایک اصلاحی تحریک کا بھی آغاز ہوا جس نے روسی مسلمانوں کو رجعت پسند (قدیمی) اور ترقی پسند (جدید) دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، لیکن باہمی جنگ و جدل کی کیفیت پیدا نہ ہوئی۔

زارشاہی کے خاتمے کے بعد جب روسیوں کا اقتدار اور اشتراکیت کا غلبہ ہوا تو آذربائیجان میں دین اور دنیا میں دوری پیدا کر دی گئی۔ کہا گیا کہ دین کا دنیوی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آذربائیجانی ثقافت اور تعلیم میں قومی اور دینی عناصر خارج کر دیئے گئے۔ قومی ادب کی جگہ اشتراکی ادبیات کی ترویج ہوئی۔ محکمہ تعلیم خاص طور پر اشتراکی اصلاحات کا نشانہ بنا۔ دینی علوم کی نشر و اشاعت کرنے والے اساتذہ کو ملازمتوں سے فارغ کر دیا گیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا گیا۔

۱۹۴۱ء میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا تو سٹالن کی حکومت نے روسی مسلکت کی مختلف اقوام کو

بہت ثقافتی مراعات عطا کردیں۔ چنانچہ اس دور میں لادینی نظام تعلیم کو "سائنٹفک تعلیم" کا نام دے دیا گیا اور دینی عقائد اور مذہبی رسوم کو قومی ورثہ کہا جانے لگا۔ سنی اور شیعہ علماء کے بورڈ بحال کر دیے گئے، لیکن عوام کا ان اداروں کے علماء پر اعتماد بحال نہ ہو سکا۔ تربیت کا کام صرف بخارا کے دینی مدارس میں (نچلے درجے کے سات سالہ نصاب کے لئے) اور تاشقند کے دینی مدارس میں (بالائی درجے کے چار رسالہ نصاب کے لئے) حکومت کی نگرانی میں ہوتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کی دینی تعلیم کی عام ترویج و اشاعت نہ ہو سکی۔ ۱۹۷۰ء تک آذربائیجان کے شہروں کے مسلمان اسلامی تعلیمات سے بالکل نا آشنا تھے۔ جہالت اور بے علمی کا یہ حال تھا کہ وہ نوروز (ایک قدیم ایرانی تہوار) کو اسلامی تہوار سمجھتے تھے اور اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ سنی شیعہ اختلاف کی اصل وجہ کیا ہے۔ عام مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ حکومت کے مقرر کردہ مولوی ملا در حقیقت سراغ رساں ایجنسی "کے جی بی" کے تنخواہ دار ایجنٹ ہیں۔ لے دے کر جو گنتی کی چند مذہبی رسوم باقی رہ گئی تھیں وہ بھی توہمات ضعیف الاعتقادی اور تعویذ گنڈے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ دیہات کا حال شہروں سے بھی برا تھا۔ مزاروں کی زیارت کے لئے خصوصی سفر اختیار کیے جاتے تھے۔ مزاروں پر حاضر ہو کر منت مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ اور بزرگوں کی فرضی کرامات پر اندھا اعتقاد کیا جاتا تھا۔

مذکورہ سماجی اور دینی کمزوریوں کے باوجود لفظ "مسلم" اخلاقی عظمت اور اعلیٰ شائستگی کا نشان تھا۔ روسیوں کو اشتراکیت کے زیر اثر بے دین لا مذہب اور اخلاقی قدروں سے برگشتہ سمجھا جاتا تھا اگرچہ وہ اصلاً عیسائی تھے یہاں تک کہ آذربائیجان کمیونسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان اور عہدے داران بھی ختنہ شادی اور مرگ کی مذہبی رسوم کی پابندی کرتے تھے۔

وسط ایشیا مسلم ریاستوں کی طرح آذربائیجان کے باشندوں پر بھی ۱۹۲۰ء کے بعد خاصی سختیاں روا رکھی گئیں، حتیٰ کہ انہیں بے گھر اور جلا وطن کرنے کی پوری کوشش کی گئی، اس کے باوجود ۱۹۸۰ء سے صنعتی ترقی کی لہر کے بعد پہلی مرتبہ آذربائیجان اور دارالحکومت باکو میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ۱۹۹۰ء میں جب روس کے خلاف قومی تحریک چلی تو سنی علماء کے بورڈ کے صدر شیخ الاسلام عبدالشکور پاشازادہ نے قومی تحریک کے دوران روسی مظالم پر آواز اٹھا کر بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اب وہ سیاسی معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے، اگرچہ ان کے تعلقات اب بھی ایران اور سعودی عرب سے قائم ہیں۔

آزادی ملنے کے بعد "پاپولر فرنٹ" کے لیڈر اور منتخب صدر مملکت ابوالفضل ایلچی بے نے جون ۱۹۹۲ء میں قرآن حکیم کو بوسہ دے کر آزادی کی تقریبات کا افتتاح کیا تھا اور سماجی اور مذہبی پابندیوں کے

کمیونسٹ پارٹی کا فرسٹ سیکریٹری نے صدر مملکت کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس تقریب میں بھی پاشازادہ شریک تھے۔ اگرچہ اقتدار کے ابتدائی چند مہینوں میں سیاسی حریفوں اور ناقدوں پر سختیاں بھی ہوئی ہیں، لیکن پھر بھی موجودہ صدر حیدر علی یوف نے مذہب کے بارے میں ایلچی بے کی پالیسیوں کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دینی جماعتیں ملک میں غیر معروف ہیں اور سیاسی سرگرمیوں میں مذہب کا کوئی فعال کردار نہیں ہے۔

مسلم عیسائی فسادات:

آئے دن کے مسلم عیسائی فسادات آذربائیجان کی معاشرتی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ فسادات کی جڑ ایک تو اس کا دارالحکومت اور سب سے بڑا صنعتی شہر باکو ہے، اور دوسرے نگورنو قرا باخ کا علاقہ۔ باکو کی آبادی تقریباً ۱۸ لاکھ ہے۔ یہ بحیرۂ کیسپین کی بندرگاہ ہے۔ باکو اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ تیل، پٹرولیم اور قدرتی گیس کی پیداوار میں دنیا بھر میں مشہور ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے وقت باکو دنیا کا سب سے بڑا پٹرولیم پیدا کرنے والا علاقہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم تک یہ علاقہ سوویت روس کا سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا علاقہ رہا۔ باکو شہر میں پٹرو کیمیکل سوتی، ریشمی اور اونی کپڑے کا سامان، مشین اور ایلومینیم سے تیار ہونے والی بہت سی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ باکو دوسرے شہروں سے شاہراہوں اور سڑکوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے اور یہاں سے بحیرۂ اسود کے شہر پوتی تک ایک ریلوے لائن بھی جاتی ہے۔

اتنے بڑے صنعتی شہر میں مزدوروں میں رقابت و تصادم غیر معمولی بات نہیں، لیکن یہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جذبہ خصومت صدیوں سے، غالباً صلیبی جنگوں کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ روسی اور آرمینی باشندے، جو زیادہ تر عیسائی ہیں، شہر کے وسطی علاقے میں رہتے ہیں، جبکہ مسلمان باکو کی نواحی بستیوں میں رہتے ہیں۔ نسلی اور مذہبی اختلافات خانہ جنگی کی صورت اس وقت اختیار کرتے ہیں جب سیاسی عدم استحکام اور معاشی انحطاط ہو۔ مسلم عیسائی فسادات، جنھوں نے قتل و قتال کی شکل اختیار کر لی تھی، ۱۹۰۵ء میں اور پھر ۱۹۱۸ء میں ہوئے۔ اعلیٰ فنی مہارت، تعلیمی معیار اور زیادہ معاوضے کے لحاظ سے عیسائی مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ گویا مسلمان عیسائیوں سے پیچھے ہیں۔ شہر میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے، لیکن کوٹا سسٹم اور "زیادہ املاک والے کو زیادہ مراعات" کے نظام کی وجہ سے باکو شہر کی قانون ساز کونسل پر آرمینی اور روسی باشندوں کا تسلط رہتا ہے، اور پا تھنے اور آگے آنے کی شعوری کوشش نہیں کرتے۔ یوں رقابت کا جذبہ خونیں فسادات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

نگورنو قرا باخ کا رقبہ ۴۴۰۰ مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً دو لاکھ ہے۔ اس کے دارالحکومت سٹیپانا کرٹ کی آبادی ۳۳ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں ۷۷ فیصد آرمینی اور ۲۲ فیصد آذری نسل کے باشندے ہیں۔ یہ علاقہ اٹھارہویں صدی میں آزاد ریاست تھا۔ ۷ جولائی ۱۹۲۳ء کو اسے آذربائیجان کا

حصہ قرار دے کر داخلی خودمختاری دے دی گئی۔

یہاں ریشم، شراب سازی، مرغبانی، فارمنگ اور عمارتی سامان تیار کرنے کی صنعتیں موجود ہیں۔ قابل زراعت رقبہ ۶۷ ہزار ہیکٹر ہے، جس میں کپاس، گندم اور انگور کی پیداوار ہوتی ہے۔ ۳۳ر اجتماعی اور ۳۸ر حکومتی زرعی فارم بھی موجود ہیں۔

فروری ۱۹۸۹ء میں نگورنو قاراباخ کی سپریم کونسل نے آذربائیجان کی جگہ آرمینیا سے الحاق کا اعلان کیا، کیونکہ یہاں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ یہ اعلان آرمینیا کی شہ پر کیا گیا تھا۔ کیونکہ آرمینیا ۱۹۸۳ء ہی سے یہاں کے عیسائیوں کو آذربائیجان سے الگ ہونے کے لئے برانگیختہ کرتا رہتا تھا۔ آرمینیا سے ان کا الحاق آذربائیجان کے مفادات کے خلاف تھا، کیونکہ یہ علاقہ آذربائیجان کے عین وسط میں واقع ہے۔ ستمبر ۱۹۹۱ء میں نگورنو قاراباخ نے آزاد جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا اور ۹۹.۹ فیصد ووٹوں کی اکثریت سے دسمبر میں مکمل آزادی کی توثیق ہو گئی۔ آذربائیجان کی حکومت نے ردعمل کے طور پر نگورنو قاراباخ کی خودمختار حیثیت ختم کرتے ہوئے اسے براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیا اور دارالحکومت کا نام بدل کر "خانقدانی" رکھ دیا، جس کی بنا پر آرمینیا اور آذربائیجان میں اس پر قبضے کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ آرمینیا کا جانی و مالی نقصان بہت زیادہ ہوا لیکن اس نے ۱۹۹۳ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۶ر فروری ۱۹۹۴ء کو روسی حکومت کے زیر اثر دونوں ملکوں میں جنگ بندی ہو گئی۔ جنگ بندی کے معاہدے پر آذربائیجان، آرمینیا اور نگورنو قاراباخ کے نمائندوں نے دستخط کیے مگر یہ آرمینی قبضہ بین الاقوامی سطح پر مفاہمت کی کوششوں کے باوجود ابھی تک قائم ہے اور وقفے وقفے سے جنگ ہوتی رہتی ہے۔ اگست ۱۹۹۹ء میں دونوں ملکوں کے صدور کے درمیان مذاکرات ہوئے تھے، لیکن کوئی اطمینان بخش نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

نظام حکومت:

آذربائیجان نے حصول آزادی کے بعد کوئی نیا آئین نہیں بنایا، بلکہ ۱۹۷۸ء کے سوویت یونین کے زمانے کے آئین ہی کو ۱۹۹۱ء کا ایکٹ آزادی قرار دے کر اس میں حسب ضرورت صدارتی آرڈیننس اور پارلیمنٹ کے فیصلوں کے مطابق کچھ ترامیم کر لی گئی ہیں۔ صدر مملکت کا انتخاب عوام کے براہ راست ووٹوں سے کیا جاتا ہے۔ صدر کو کافی اختیارات حاصل ہیں جن میں ۱۹۹۳ء میں اضافہ کیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں ۳۵۰ ارکان پر مشتمل "سپریم سوویت" ختم کر کے اس کی جگہ ۵۰ رکنی نیشنل اسمبلی (ملی مجلس) کی تشکیل کی گئی ہے۔ حصول آزادی کے بعد آذربائیجان کو سیاسی عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا، اوپر تلے دو منتخب صدور کو معزول کیا گیا اور دونوں کی معزولی کا سبب نگورنو قاراباخ کے تنازع میں فوجی شکست کے خلاف عوامی احتجاجی مظاہرے تھے۔

بڑی بڑی سیاسی جماعتیں یہ ہیں: قوم پرست اور ترکی نواز پاپولر فرنٹ، سوشل ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی جو ۱۹۹۱ء میں کالعدم قرار دی گئی، لیکن ۱۹۹۳ء میں بحال کر دی گئی، مسلم ڈیموکریٹک پارٹی جس کا نصب العین ملک میں اسلامی نظام قائم کرنا ہے، اور "تحریک برائے جمہوری اصلاحات" (ایم ڈی آر)۔

مسلح افواج:

۱۹۹۱ء میں قومی فوج، بحریہ اور فضائیہ کی تشکیل کی گئی۔ روسی افواج نے ۱۹۹۳ء میں حسب معاہدہ واپسی کا عمل مکمل کر لیا تھا۔ بحریہ آزاد ریاستوں کی "دولت مشترکہ" کے ماتحت ہے۔ ہر بالغ مرد پر کم از کم سترہ ماہ کی فوجی خدمت قانوناً ضروری ہے۔ نگورنو قاراباخ کے تنازعے پر آرمینیا سے کئی برس تک حالت جنگ میں رہنے کے سبب عسکری منصوبہ بندی اور لازمی فوجی خدمت ایک قومی ضرورت بن گئی ہے۔ اس تنازعے کی وجہ سے ملک میں بدامنی کی فضا پیدا ہوئی جس سے جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا اور یوں فوج کے ساتھ ساتھ پولیس کا محکمہ بھی وزارت داخلہ کے تحت منظم کیا گیا۔

تعلیم:

ہر سطح پر تعلیم مفت ہے۔ اداروں اور کارکنوں پر خصوصی تعلیمی ٹیکس عائد ہے جس کی ادائیگی لازمی ہے۔ ۱۹۵۹ء سے اب تک آٹھ سالہ تعلیم کا حصول ہر شہری پر لازم ہے۔ سوویت یونین کے ساتھ الحاق کے زمانے ہی میں ناخواندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اعلیٰ تعلیم، تحقیقی مراکز اور علمی اداروں کا جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ آذربائیجان سٹیٹ یونیورسٹی ۱۹۱۹ء میں باکو میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں بارہ علوم کے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کا اعلیٰ بندوبست ہے۔ اس میں شام کی کلاسیں بھی لگتی ہیں اور بذریعہ مراسلت تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں باکو میں ایک بڑا پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہوا تھا۔ یہ بھی باکو میں ہے۔ اکیڈمی آف سائنسز (قائم شدہ ۱۹۴۵ء) کا بنیادی کام طبیعیات، کیمیا، کیمیکل ٹیکنالوجی، پیٹروکیمسٹری، جینیات اور دوسرے سائنسی شعبوں کے مراکز اور ان کی تحقیقاتی سرگرمیوں میں رابطہ پیدا کرنا ہے۔

زبان و ادب:

آذربائیجان کے لوگوں کی زبان آذری ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ قدیم فارسی لہجے کی ترکی زبان ہے۔ یہ زبان ابتدا میں صرف آذربائیجان میں بولی جاتی تھی۔ اب صوبہ آذربائیجان، ایران، ترکی، خراسان، استرآباد، ہمدان، داغستان، اور کرغیزستان میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس زبان میں باکو، شروان، گنجہ، قراباغ، تبریز اور ارمیہ کی بولیاں شامل ہیں۔

آذری زبان میں ادب عالیہ تخلیق ہوا ہے۔ آذری ادب میں پہلا شخص غالباً شیخ عزالدین اسفر

یانی تیرہویں صدی کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا تخلص حسن اوغلو تھا۔ اس کے بعد چودہویں صدی عیسوی کے دو بڑے شعراء قاضی برہان الدین اور نسیمی نے آذری ادب کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی سادہ نگاری اور حقیقت پسندی کو حبیبی، شاہ اسماعیل صفوی اور فضولی نے انتہا تک پہونچایا۔ ان کے بعد آنے والے ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں عام بول چال کی زبان استعمال کرنے کے کامیاب تجربے کیے۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں آذربائیجان کی سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی تحریکوں نے آذری ادب پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ اس دور میں عوامی ادب کے ساتھ کلاسیکی ادب بھی پیدا ہوا اور رومانی شاعری کا عام رواج ہوا۔ قوسی، آقا مسیح شروانی، نشاط، ودادی اور واقف اس دور کے مشہور ادیب تھے۔

انیسویں صدی کا آذری مزاح نگار شاعر زاکر (۱۷۸۴ء۔۱۸۵۷ء) مشہور استاد گزرا ہے۔

ان لوگوں کے بعد آزادی ادب کا نیا دور شروع ہوا اور عملاً ایک انقلاب پیدا ہوا۔ اور پہلی بار تاریخی تصانیف، تمثیلی روایات، ڈراما اور نثر میں افسانوی ادب کی کتابیں نظر آنے لگیں۔ جابجا آذری ادبی محفلیں اور انجمنیں قائم ہوگئیں۔

انیسویں صدی کے اواخر میں آذری اخبار نویسی اور صحافت کا آغاز ہوا۔ نئی ثقافتی تحریک اور جدت پسندی کے لئے آذری طنز نگار اکبر صابر (وفات ۱۹۱۱ء) پیش پیش تھا۔ اس نے اپنے زور قلم سے رجعت پسندی، مذہبی تعصبات اور جہالت کے خلاف جہاد کیا۔ بعد کے مشاہیر محمد ہادی اور حسین جاوید ترکی ادب سے متاثر تھے۔ خانوادہ حاجی بک کے افراد نے آذری تھیٹر کے لئے ایک ایکٹ کی مزاحیہ اور دیگر غنائی تمثیلیں تصنیف کیں۔ انہوں نے قومی موسیقی کی بنیاد رکھی۔

بیسویں صدی میں آذری زبان کا لسانی مطالعہ عباس آقا نے کیا۔ اس نے شاعری بھی کی اور اس خطے کی مفصل تاریخ بھی قلم بند کی۔ مرزا فتح علی نے ڈرامے تخلیق کیے۔ اشتراکی نظریات وافکار کے تحت بیسویں صدی کے مسلمان ادیبوں اور شاعروں نے سیکولرزم کا زیادہ پرچار کیا۔ سب نے علی بے حسین زادہ کے اس فکری جملے کو اپنا عملی اور تشہیری سلوگن بنالیا: "ترکی، اسلامیت اور مغربیت" یہ بیسویں صدی کے پورے آذری ادب کا نعرہ رہا ہے۔

معیشت:

دنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح آذربائیجان کی معاشی صورت حال بھی خوش آئند نہیں ہے۔ اس ملک کی اصل اور واحد اقتصادی طاقت تیل ہے، جس کی برآمد صرف پائپ لائن سے ہوسکتی ہے' جس کے راستے پر متعدد ممالک نے اپنے اپنے جال، سبز باغ اور وعدے پھیلا رکھے ہیں۔ پائپ لائن کا راستہ روس، ترکی، جارجیا اور ایران کے ذریعے نکل سکتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس، چین اور ایران نے اپنی اپنی جگہ

راستے دیئے اور اخراجات کی کفالت کے منصوبے پیش کر رکھے ہیں، لیکن ابھی تک آذربائیجان تذبذب کی حالت میں ہے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا ہے، کیونکہ ہر راستے کے بارے میں الگ خدشات اور شکوک ہیں۔

سوویت یونین کی ۷۱ سالہ غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے فوراً بعد پارلیمنٹ نے ۱۹۹۱ء میں اشتراکی پروگرام سے ہٹ کر "معاشی آزادی کا ایکٹ" منظور کیا، تاکہ ملک آزاد معیشت کی بین الاقوامی مارکیٹ میں داخل ہوسکے۔ اس ایکٹ کی پیروی میں ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں پانچ مزید ایکٹ نافذ کیے گئے۔

۱: حق ملکیت کا ایکٹ: جس کے تحت ملکیت کی دوسری صورتوں کی طرح نجی ملکیت کا حق بھی تسلیم کیا گیا۔

۲: زرعی زمین پر کاشت کار کا حق ملکیت: "جو بوئے اور کاٹے وہی مالک" کا اصول تسلیم کیا گیا۔

۳: غیر ملکی سرمائے کا معاشی سہارا حاصل کرنے کے لئے: غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی اور خصوصی مراعات کا انتظام۔

۴: ٹریڈ ایکٹ: جس کے تحت اشیاء وخدمات کے آزادانہ تبادلے کی اجازت دی گئی۔

۵: ٹیکسوں کے نفاذ اور وصولی میں مناسب ردوبدل۔

ان قوانین کے ساتھ ساتھ دیگر معاشی اصطلاحات سے شرح افراط زر پر بہت برا اثر پڑا، جو ۱۹۹۰ء میں ۷.۸ فیصد، ۱۹۹۱ء میں ۱۰۶ فیصد، ۱۹۹۲ء میں ۹۱۲.۳ فیصد اور ۱۹۹۴ء میں ۱۶۶۴ فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ ۱۹۹۵ء کے بعد کمی کا رجحان شروع ہوا۔ ۱۹۹۷ء ۳.۵ فیصد تھی اور ۲۰۰۲ء میں مزید گھٹ کر ۱.۸ فیصد رہ گئی۔ یہ صورت حال معاشی استحکام کی نشان دہی کرتی ہے۔

بڑے بڑے شہر:

دارالحکومت باکو کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ دوسرا بڑا شہر سمگیت (Sumgait) ہے جو جدید صنعتی شہر ہے۔ یہ ۱۹۴۴ء میں آباد ہوا تھا آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب ہے۔ یہاں لوہے، فولاد، ایلومینیم، پارہ اور مصنوعی ربڑ کے بھاری کارخانے ہیں۔ بہت سی کیمیاوی اشیاء اور بجلی کا سامان تیار کرنے والی صنعتیں بھی فروغ پذیر ہیں۔ سمگیت دارالحکومت سے صرف ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ گویا یہ دارالحکومت کا نواحی شہر ہے۔

دوسرے بڑے شہروں میں گنجہ، کاراداغ، منگی چور، ذاغلک، تمس تقا اور کافان قابل ذکر ہیں۔ گنجہ کی آبادی تین لاکھ کے قریب ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس کی خاک سے نظامی گنجوی جیسا بڑا شاعر اور دانشور اٹھا تھا۔

قدرتی وسائل اور اپنی جفاکش کم آبادی کے باعث آذربائیجان دوسرے اسلامی ملکوں کے مقابلے میں کسی قدر خوشحال ہے۔ ایک خودمختار اور آزاد جمہوریہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے ساتھ ساتھ اسلامی سربراہی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا بھی فعال رکن ہے۔ پاکستان کے ساتھ اس کے تعلقات دوستانہ اور خوشگوار ہیں۔ اشتراکیت کے اثرات دور ہونے اور اسلام کو رنگ دوبارہ غالب آنے میں کچھ وقت لگے گا۔

(انتخاب "میثاق")

اصولی مباحث

فن تخریج اور اسکے قواعد (۵)

ڈاکٹر محمود الطحان

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ

تخریج کا تیسرا طریقہ:

متن حدیث کے ایسے الفاظ کی معرفت کے ذریعہ تخریج جو زبان زد عام نہ ہوں۔ اس طریقہ تخریج میں "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی" سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ کتاب حدیث کی نو بنیادی کتابوں یعنی صحاح ستہ، موطا، مسند احمد، اور مسند الدارمی کی احادیث کی فہرست پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب و تالیف میں متعدد مستشرقین نے حصہ لیا ہے۔ البتہ اس کی طباعت جامعہ لیڈن (ہولنڈا) کے پروفیسر ارند جان ونسنک (۱۹۳۹م) نے کی ہے۔ یورپ کی متعدد علمی اکیڈمیوں نے اس کی نشر و اشاعت میں مالی مدد کی ہے۔ یہ معجم سات ضخیم اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۳۶م میں اور آخری ۱۹۶۹م میں منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کے ساتھ کسی مقدمہ کی اشاعت نہیں کی گئی ہے۔ جو کتاب کے طریقہ ترتیب پر دلالت کرتا ہو درانحالیکہ اس کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ البتہ ساتویں جلد کے ساتھ کچھ ضروری ہدایت و اشارات درج ہیں۔ جن سے الفاظ کی ترتیب پر کچھ روشنی تو پڑتی ہے لیکن پھر بھی جا بجا تجلک اور مبہم امور پائے جاتے ہیں۔

معجم کے مواد کی ترتیب تقریباً لغوی معاجم کی ترتیب سے ملتی جلتی ہے البتہ حروف، اسماء اعلام اور وہ افعال جو عموماً آتے ہیں جیسے قال، ذکر، جاء اور انکے مشتقات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

عموماً کسی مادہ کے ذکر کے وقت اس کے معانی کے لئے اس کے ہم شکل دوسرے مادوں کا حوالہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے الفاظ حدیث کی تلاش میں کبھی کبھی کافی دشواری پیش آتی ہے اسی لئے بعض مراجعین کا خیال ہے کہ یہ اکی سب سے بڑی کمی ہے نیز جن کتابوں کی احادیث کی فہرست پر یہ معجم مشتمل ہے انکے جملہ الفاظ حدیث کی فہرست نہیں بنائی گئی ہے۔

المعجم المفہرس سے استفادہ اور اسکی ترتیب کی جانب اشارہ کرنے کے لئے جو ہدایات و

معجم کی آخری جلد کے ساتھ شائع ہوئی ہیں وہ سطور ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں تاکہ اس کتاب سے استفادہ میں قاری کو سہولت حاصل ہو۔ "المعجم میں مواد کی ترتیب کا خاکہ"

الف: افعال:

ماضی، مضارع، امر، اسم فاعل، اسم مفعول اور ہر ضمیر کے ساتھ آنے والے صیغوں کا تذکرہ ہے۔

۱: معروف افعال کے صیغوں کا لواحق کے بغیر ذکر۔

۲: معروف افعال کے صیغوں کا لواحق سمیت ذکر۔

۳: مجہول افعال کے صیغوں کا لواحق سمیت اور لواحق کے بغیر تذکرہ

افعال کے ذکر میں پہلے مجرد اور پھر مزید کو درج کیا گیا ہے۔

ب: اسماء معانی:

۱: مرفوع اور منون اسماء	۲: غیر منون مرفوع اسم
۳: اسم مرفوع اپنے لاحق کے ساتھ	۴: مجرور اسماء تنوین و اضافت کے ساتھ۔
۵: مجرور مضاف اسماء بلا تنوین کے	۶: مجرور مضاف اسم اپنے لاحق سمیت
۷: حرف جر کے ذریعہ مجرور اسم	۸: منصوب اور منون اسم

۹: وہ منصوب اسم جو منون نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی لاحق داخل ہو۔

۱۰: منصوب اسماء اپنے لواحق سمیت

ج: مشتقات

۱: مشتقات کا تذکرہ ساکن حروف کی اضافت کے بغیر۔

۲: مشتقات کا تذکرہ ساکن حروف کی اضافت کے ساتھ۔

نوٹ: معجم میں موجود متن حدیث ہو بہو اس مصدر کی حدیث ہوگی جس کا حوالہ سب سے پہلے دیا گیا ہے۔ دو مرکب ستارے (**) حدیث یا باب یا اسی صفحہ پر اس لفظ کے مکرر آنے کی جانب اشارہ ہے۔

رموز و اشارات:

جن مصادر کی فہرست پر یہ معجم مشتمل ہے اکی جانب درج ذیل رموز و اشارات استعمال کیے گئے ہیں۔

خ: بخاری　م: مسلم　ت: ترمذی　د: ابوداود
ن: نسائی　جہ: ابن ماجہ　ط: موطا　حم: مسند احمد بن حنبل
دی: مسند الدارمی

یہ رموز اور انکے مدلولات ہر دونوں صفحوں کے نیچے درج ہیں تا کہ مراجع کو وقت و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

مذکورہ بالا کتابوں میں موجود احادیث کی جانب رہنمائی کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب کی جانب رمز کے بعد اس کتاب کا ذکر کیا جاتا ہے جسمیں وہ حدیث موجود ہے سوائے مسند احمد کے (کیونکہ وہ ہر صحابی کی مرویات کے لحاظ سے مرتب ہے)۔

پھر ہر کتاب کے اندر موجود ابواب میں سے مطلوبہ باب کی جانب اعداد کے ذریعہ (مثلاً: ۱۵) اشارہ کیا جاتا ہے۔ البتہ صحیح مسلم اور موطا میں باب کے بجائے یہ عدد کتاب میں موجود حدیث کی عدد کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں جزء اور صفحہ کی جانب بڑے اور چھوٹے حروف کی گنتیوں سے اشارہ کیا گیا ہے۔ بڑی گنتی جلد پر اور چھوٹی صفحہ پر دلالت کرتی ہے۔ ہر ہر کتاب کی ایک ایک مثال پیش خدمت ہے۔

ت: ادب ۱۵= یعنی یہ حدیث ترمذی شریف کی کتاب الادب کے پندرہویں باب میں موجود ہے۔

جہ: تجارات ۳۱= یعنی یہ حدیث سنن ابن ماجہ کی کتاب التجارات کے اکتیسویں باب میں درج ہے۔

حم: ۷: ۱۷۵= یعنی یہ حدیث مسند احمد بن حنبل، جلد نمبر سات اور صفحہ ۱۷۵ پر ہے

خ: شرکۃ ۳، ۱۶= یہ حدیث صحیح بخاری کی کتاب الشرکۃ کے تیسرے اور سولہویں باب میں موجود ہے۔

د: طہارۃ: ۷۲= یہ حدیث سنن ابی داود کی کتاب الطہارۃ کے بہترویں باب میں ہے۔

دی: ۷۹= یعنی یہ حدیث مسند الدارمی کی کتاب الصلوٰۃ کے باب رقم ۷۹ میں ہے۔

ط: صفۃ النبی ۳= یعنی یہ حدیث موطا مالک کی کتاب صفۃ النبی کی تیسری حدیث ہے۔

م: فضائل الصحابہ، ۱۶۵= یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کی کتاب "فضائل الصحابہ" میں ۱۶۵ نمبر پر ہے۔

ن: صیام، ۷۸= یعنی یہ حدیث سنن النسائی کی کتاب الصیام کے باب نمبر ۷۸ میں ہے۔

بعض اہم تنبیہات:

۱: ہم نے ہر مادہ میں پہلے افعال کا تذکرہ کیا ہے پھر اسم کا اور اسمیں مشتقات کے درمیان اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو ترتیب فن نحو و صرف میں مذکور ہے۔

۲: ہم نے حدیث ذکر کرکے اس مقام کی جانب اشارہ کیا ہے جہاں وہ حدیث لفظاً موجود ہے اور ان مقامات کا بھی حوالہ دیا ہے جہاں وہ معنیً پائی جاتی ہے۔

۳: بسا اوقات اس کتاب میں مذکور ابواب و احادیث کے اعداد بعض مطبوعہ نصوص سے متفاوت نظر آئیں گے۔

۴: موطا امام مالکؒ سے صرف نصوص نقل کیے گئے ہیں۔ آثار صحابہ یا امام مالک اور دیگر فقہاء کے آثار و فتاوی کا تذکرہ نہیں ہے۔

۵: صحیح مسلم کی وہ سندیں جو متون سے خالی ہیں۔ ان کا تذکرہ اس معجم میں نہیں ہے۔

کہیں کہیں معجم میں بخاری کا تذکرہ پہلے ہے اور بعض مقامات پر دوسری کتابوں کا اسکی وجہ یہ ہے کہ معجم میں مذکور متن جس مصدر سے ماخوذ ہے اس کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ پھر مصادر کا تذکرہ ہے۔

بسا اوقات بعض الفاظ حدیث کے ضمن، بعض مصادر کا تذکرہ نہیں پایا جاتا کیونکہ بعض جملے جو معجم میں درج ہیں وہ بعض مصادر میں موجود ہیں تو بعض میں نہیں پائے جاتے۔

مختصراً یہ کہ یہ کتاب اپنے فن کی عمدہ کتاب ہے اگرچہ نقائص سے خالی نہیں ہے لیکن اس عظیم فائدے کے سامنے جو ریسرچ اسکالروں کو اس کتاب سے حاصل ہوتی ہے اس کمی کی معنویت قائم نہیں رہ جاتی۔

خصوصاً اس سے محققین کا کافی وقت بچتا ہے۔ پھر چونکہ اس کتاب کا موضوع چند محدود کتابوں کے الفاظ احادیث کی فہرست کی تیاری ہے لہذا اس میں فکری و عملی موضوعات کی طرح شکوک و شبہات داخل کرنے کا موقعہ ہاتھ نہیں آتا۔ لہذا اگرچہ کتاب، مستشرقین کی مرتب کردہ ہے لیکن اس سے استفادے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کتاب کا مقصود دین اسلام یا مسلمانوں کی خدمت نہیں بلکہ انہوں نے استشراقی مقاصد کے تحت اسے تحریر فرمایا تھا جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اتنی اہم کتاب

کے صرف پانچ سو نسخے چھاپے گئے تاکہ چند لوگوں کے علاوہ عام لوگ اسے نہ خرید سکیں۔ اسکی فوٹو کاپی کے ذریعہ جن لوگوں نے اشاعت کرائی ہے اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

مفہرس کتابوں کے تعلق سے چند باتیں:

معجم کے مؤلفین نے مسند احمد کے علاوہ بقیہ تمام ہی کتابوں کے ابواب کی نمبرنگ کی ہے۔ نیز صحیح مسلم اور موطا مالک کی احادیث کی بھی نمبرنگ کر دی ہے۔

استاذ مرحوم محمد فؤاد عبدالباقی کا اس معجم کی اشاعت وتخریج میں اہم رول رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے معجم میں درج ومرقوم ابواب کے لحاظ سے ان کتابوں کے ابواب واحادیث کی نمبرنگ کی ہے۔ البتہ جملہ کتابوں پر کام کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ معجم کی بیان کردہ ترتیب کے لحاظ سے آپ نے درج ذیل کتابوں کے ابواب واحادیث کی ترقیم وفہرست بنائی ہے۔

۱: صحیح مسلم: اسکی تخریج آپ نے چار جلدوں میں کی ہے۔ اسکی جملہ احادیث کی نمبرنگ کے ساتھ ساتھ پانچویں جلد میں متعدد پہلوؤں سے صحیح مسلم کی آپ نے فہرست تیار کی ہے۔ ان احادیث کو آپ نے نمبرنگ میں شمار نہیں کیا ہے جو صرف خالی سندوں پر مشتمل ہیں۔

۲: سنن ابن ماجہ: معجم کے مطابق اسکے ابواب واحادیث کی ترقیم کے ساتھ ساتھ بعض احادیث پر فنی وعلمی گفتگو بھی کی گئی ہے۔ بعض غریب الفاظ کی شرح بھی آپ نے کی ہے۔ کتاب دو جلدوں میں مطبوع ہے۔

۳: موطا مالک: موطا کی احادیث کی تخریج وترقیم کے علاوہ آپ نے بعض احادیث پر فنی گفتگو اور غریب الفاظ کی شرح بھی کی ہے۔ بعض دیگر مفید فہارس بھی آپ نے تیار کی ہے۔

۴: جامع الترمذی: جامع الترمذی معجم کی ترتیب وفہرست کے لحاظ سے پانچ جلدوں میں درج ذیل محققین کی تخریج اور ترقیم کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ پہلی اور دوسری جلد شیخ احمد شاکر، تیسری محمد فؤاد عبدالباقی، چوتھی اور پانچویں جلد شیخ ابراہیم عطوہ عوض کی تحقیق وتخریج ہے۔

۵: صحیح بخاری: صحیح بخاری کی احادیث، ابواب اور کتابوں کی فہرست ونمبرنگ بھی آپ نے تیار کی ہے۔ مکرر احادیث کے اطراف کی بھی ترقیم کی ہے۔ البتہ بخاری شریف اس شکل وترتیب میں فتح الباری کے ساتھ المطبعۃ السلفیہ بالقاہرہ سے چھپی ہے۔ پہلے اور دوسرے جزء کی طباعت شیخ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے زیر نگرانی ہوئی ہے۔

۶-۷: سنن النسائی اور سنن ابوداود: ان کتابوں کی ترقیم وتخریج آپ نہیں کر سکے۔ لہذا سنن النسائی کا وہ نسخہ ''معجم'' کے لیے مفید ہوگا جو مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی سے ۱۳۸۳ھ - ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا ہے۔ نمبرنگ آپ کو خود کرنی پڑے گی۔ یہ نسخہ سیوطی کی شرح ''زہر الربی'' اور سندھی کے حاشیہ سمیت ۸؍اجزاء میں شائع کیا گیا ہے۔

رہی سنن ابی داود تو شیخ محی الدین عبدالحمید کی تحقیق سے مصر سے شائع شدہ نسخہ آپ کے لیے مفید ہوگا۔

۸: مسند الدارمی: معجم کے لحاظ سے اس کی تخریج اور اس کے ابواب اور کتابوں اور احادیث کی ترقیم سید عبداللہ ہاشم الیمانی المدنی نے کی ہے۔ جس کی اشاعت شرکۃ الطباعۃ الفنیہ بالقاہرہ نے ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶ء میں کی ہے۔

۹: مسند احمد بن حنبل: معجم میں اس کے اجزاء اور صفحات کی جانب اشارہ مصر کے ''المطبعۃ المیمنیہ'' کے مطبوعہ نسخے کے مطابق ہے اس نسخہ کی فوٹو کاپی المکتب الاسلامی اور دار صادر بیروت نے ۱۹۶۹ء میں چھ اجزاء میں شائع کی ہے۔

نوٹ: اس معجم کے مؤلفین نے جگہوں اور اعلام کی فہرست تیار کی تھی جس کی جانب اشارہ بعض الفاظ پر گفتگو کے دوران معجم میں پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ فہارس غیر مطبوعہ ہیں۔ معجم کے علاوہ درج ذیل فہارس اور کنجیاں بھی اس طریقہ تخریج میں معاون ومددگار ہو سکتی ہیں۔

۱: معجم کے طریقۂ تالیف کے لحاظ سے جامع الترمذی کی احادیث کی ایک فہرست ہوی نے تیار کی ہے جو شیخ عزت عبید الدعاس کی تحقیق کے ساتھ حمص سے شائع ہوئی ہے۔

۲: صحیح مسلم کے الفاظ کی فہرست: یہ فہرست شیخ محمد فؤاد عبدالباقی نے تیار کی ہے۔ جو صحیح مسلم کے اس نسخہ کے ساتھ پانچویں جزء میں دیگر فہارس کے ساتھ چھپی ہے جسکی تحقیق مرحوم نے کی ہے۔

۳: شیخ مصطفی البیومی نے احادیث کی مختلف کتابوں کی فہارس تیار کی ہے۔ لیکن ان میں سے ایک بھی مطبوع نہیں ہے۔ اے کاش! یہ فہارس زیور طبع سے آراستہ ہوتیں تو کافی افادیت کی حامل ہوتیں۔

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف (۵)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان
ام القریٰ۔مکۃ المکرمہ

تراجم صحابہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت وسوانح پر مخصوص اہم ترین کتابیں درج ذیل ہیں۔

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابوعمر و یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی (۴۶۳ھ)

صحابہ کرام کی سیرت اور انکی سوانح پر سب سے اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ آپ نے ہر اس صحابی کا ترجمہ کیا ہے جس نے حالت ایمان میں آپ ﷺ کو دیکھا ہو خواہ طویل رفاقت رہی ہو یا نہ رہی ہو۔ مشاجرات صحابہ کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ وہ صحابہ جو کنیتوں سے مشہور ہیں انکی کنیتیں بھی حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہیں۔ آخر میں صحابیات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس میں کل ۳۵۰۰ تراجم ہیں۔

(۲) اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: عزالدین علی بن محمد بن الاثیر (۶۳۰ھ)

صحابہ کرام کی سیرت پر انتہائی عمدہ کتاب ہے ۷۵۵۴ ترجموں پر مشتمل ہے۔ حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ ہر ترجمے کے آغاز میں حروف مقطعات کے ذریعہ ان کتابوں کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہے جو آپ کی کتاب سے پہلے اس فن پر لکھی گئی ہیں۔ یہ رموز درج ذیل ہیں۔

(د) سے مراد ابن مندہ کی کتاب۔ (ع) سے مراد ابونعیم کی۔ (ب) سے مراد ابن عبدالبر کی (س) سے مراد ابوموسیٰ محمد بن عمر المدینی کی کتاب ہے۔

۳: تجرید اسماء الصحابہ: ابن الاثیر

آٹھ ہزار ترجموں پر مشتمل ہے۔ حروف ہجاء کے لحاظ سے مرتب ہے۔ ابن مندہ، ابن عبد البر، ابونعیم اور ابوموسیٰ کی کتابوں میں موجود صحابہ کے تراجم کے علاوہ ان صحابہ کرامؓ کے تراجم بھی درج ہیں جو حمص یا دمشق میں فروکش ہوئے تھے۔ نیز مسند احمد اور ''مسند بقی'' سے بھی بعض صحابہؓ کا اضافہ کیا ہے اور طبقات ابن سعد سے صحابیات کے تراجم میں اضافہ فرمایا ہے۔

۴: تجرید اسماء الصحابہ۔ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۷۴۸ھ)

یہ کتاب ابن الاثیر ہی کی کتاب کا تکملہ وتتمہ ہے۔

۵: الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: حافظ ابن حجر العسقلانی:

اس فن پر یہ سب سے جامع کتاب ہے۔ حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے پہلے اسماء کو ترتیب دیا ہے پھر کنیتوں کو پھر صحابیات کے ناموں کو پھر انکی کنیتوں کو اور ان چاروں میں سے ہر حروف کی انہوں نے داخلی درج ذیل چار تقسیم کی ہے۔

۱: ان صحابہ کرامؓ کی سوانح جنکے واسطے سے روایات مروی ہیں یا جنکی صحبت کی صراحۃ کوئی دلیل پائی جاتی ہے۔

۲: وہ صحابہ کرامؓ جو عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور آپ کے انتقال کے وقت تک بلوغت کی عمر کو نہ پہونچ سکے۔

۳: ان مخضرمین کا تذکرہ جن کے نام سابقہ کتابوں میں آئے ہیں۔

۴: ان صحابہ کا تذکرہ جن کا ذکر غلطی سے سابقہ کتابوں میں حقیقۃ صحابہ میں کر دیا گیا ہے اور اس وہم اور غلطی پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے۔ ''۱۲۲۶۷'' ان صحابہ کے ترجمے ہیں جو اپنے ناموں سے مشہور ہیں۔ ۱۲۶۸۰/ان صحابہ کے ترجمے ہیں جو اپنی کنیتوں سے مشہور ہیں۔ ۱۵۳۲۰/صحابیات کے تراجم درج ہیں۔

رواۃ حدیث کے مصادر:

(۱) التاریخ الکبیر: امام بخاری

یہ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے البتہ جن لوگوں کا نام ''محمد'' ہے ان سے کتاب کا آغاز کیا گیا ہے۔ ۱۲۳۱۵/ترجموں پر مشتمل ہے۔ جرح وتعدیل کے الفاظ بھی امام بخاری نے درج کیے ہیں لیکن یہ الفاظ انتہائی لطیف ہیں۔

(۲) التاریخ الاوسط (۳) التاریخ الصغیر: امام بخاریؒ

یہ کتاب سنین کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔

(۴) الضعفاء: امام بخاریؒ

یہ کتاب بھی حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ صرف ضعیف راویوں کے ناموں کا تذکرہ اور انتہائی اختصار کے ساتھ ہر راوی کا حکم بھی درج ہے۔

(۵) کتاب الضعفاء والمتروکین: احمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ)

یہ کتاب بھی حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ صرف ضعیف راویوں کا تذکرہ ہے۔

(۶) کتاب الکنی والاسماء محمد الدولابی:

اس فن کی جامع ترین کتاب ہے۔

(۷) الجرح والتعدیل: عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی (۳۲۷ھ)

امام رازی نے مقدمہ میں فن جرح وتعدیل پر عمدہ بحث کی ہے اور اہم ناقدین حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔

ہر راوی کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال نقل کر کے آپ نے اپنی حتمی رائے بھی ظاہر فرمائی ہے۔ راویوں کے ترجمے عموماً مختصراً ایک سطر سے پانچ سطروں پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے۔ اور ہر حرف میں صحابہ کے اسماء مقدم ہیں راوی کے ترجمہ میں اس کا، اس کے والد کا نام، کنیت، نسبت، مشہور اساتذہ اور شاگردوں کے نام ذکر کیے گئے ہیں اور شاذ و نادر ہی راوی کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں البتہ اگر راوی کا عقیدہ اہل سنت کے عقیدے سے مختلف رہا ہو تو اس کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں۔ کل "۱۸۰۵۰" ترجمے ہیں۔

(۸) کتاب الثقات: ابو حاتم محمد بن حبان البستی (۳۵۴ھ)

ثقہ راویوں کے ساتھ ساتھ مجہول اور ضعیف راویوں کی بھی ایک بڑی تعداد آپ نے درج کر دی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب وتہذیب حافظ نور الدین ہیثمی نے کی ہے۔

(۹) کتاب الکامل: احمد عبداللہ بن محمد الجرجانی

آپ نے اس میں ہر متکلم فیہ راوی کا تذکرہ کیا ہے۔ خواہ وہ صحیحین ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی بیان کردہ کسی غریب یا منکر حدیث کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰ جلدوں میں ہے۔ فن جرح وتعدیل کی سب سے جامع اور کامل ترین کتاب تصور کی جاتی ہے اور اسی پر علماء کا اعتماد ہے۔

(۱۰) کتاب الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب۔

ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ ابن ماکولا البغدادی (۴۸۶ھ)

تراجم کی سابقہ کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے مؤلف نے ایک جامع اور عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اس پر نقد واستدراک ابن نقطہ البغدادی نے "اکمال الاکمال" کے نام سے کیا ہے لیکن پھر بھی بعض چیزیں فوت ہو گئیں۔ اس لئے شیخ جمال الدین محمد بن علی الحمودی نے "تکملۃ اکمال الاکمال" کے ذریعہ اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۱۱) کتاب الانساب: ابو سعید عبدالکریم بن محمد السمعانی:

انساب پر یہ جامع ترین کتاب ہے۔ ہر نسبت کی آپ نے توضیح کر دی ہے خواہ وہ قبیلہ کی شاخ یا شہر یا گاؤں یا آباء واجداد یا کسی پیشے یا مسلک کی جانب رہی ہو۔ نیز لقبوں کی عمدہ انداز میں وضاحت موجود ہے۔

کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے ۶ جلدوں پر مشتمل ہے کل (۱۹۹۱) ترجمے ہیں۔

(۱۲) الکمال فی معرفۃ الرجال: حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی:

صحاح ستہ کے راویوں پر یہ سب سے قدیم ترین کتاب ہے۔ بعد کے آنے والے جملہ علماء نے اسی کتاب پر اعتماد کیا ہے۔

(۱۳) تہذیب الکمال: ابو الحجاج، جمال الدین یوسف المزی (۷۴۲ھ)

انتہائی جامع اور بڑی کتاب ہے اس جیسی کوئی دوسری کتاب نہ لکھی جا سکی اور نہ لکھے جانے کا امکان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل علاؤ الدین مغلطای نے کی ہے۔

(۱۴) الکاشف فی أسماء الرجال: شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ)

صحاح ستہ کے راویوں کے تراجم پر مشتمل یہ کتاب "تہذیب الکمال" کا خلاصہ ہے۔ سنن اربعہ کے لئے "الاربعۃ" اور پوری جماعت کے لئے "ع" سے رمز کیا ہے۔

(۱۵) تذکرۃ الحفاظ: محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۷۴۸ھ)

راویوں کے طبقات کے لحاظ سے مرتب ہے۔ پہلے صحابہ پھر تابعین اور پھر ان کے بعد کے راویوں کے تراجم اکیس طبقے میں بیان ہوئے ہیں۔ آغاز اسلام سے جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن المزی کے عہد تک کے راویوں کے تراجم درج ہیں۔ اس پر نقد واستدراک آپ نے [illegible]

جو "ذیل طبقات الحفاظ للذہبی" کے نام سے موسوم ہے اور ذہبی اور حسینی دونوں کی کتابوں پر "ابو الفضل محمد بن فہد الہاشمی" نے لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ" کے نام سے استدراک کیا ہے نیز علامہ جلال الدین السیوطی نے اس پر حواشی وتعلیقات درج کی ہیں۔

(۱۶) میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ شمس الدین محمد الذہبی۔

یہ کتاب حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہے اور ان ائمہ کی جانب رمزیہ انداز میں اشارہ ہے جنہوں نے ان راویوں سے احادیث کی تخریج کی ہے۔ امام ذہبی اپنا منہج تحریر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس کتاب میں، میں نے ان راویوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ثقہ اور معتبر ہیں۔ البتہ ان پر معمولی قسم کا نقد کیا گیا ہے۔ اگر ابن عدی وغیرہ نے جرح کی کتابوں میں ان ثقہ راویوں کا تذکرہ نہ کیا ہوتا تو میں انکے ثقہ ہونے کی بناء پر اپنی اس کتاب میں ذکر نہ کرتا۔ استدراک وتعقب کے خوف سے ہر اس راوی کو میں نے اس میں ذکر کر دیا ہے جو ثقہ ہیں لیکن بعض ائمہ نے ان پر معمولی نقد وجرح کی ہے۔ کسی صحابی کا نام میں نے اپنی اس کتاب میں درج نہیں کیا ہے کیونکہ صحابی میں ضعف راویوں کی جہت سے آیا ہے ایسے ہی کسی ایسے امام کا تذکرہ بھی میں نے نہیں کیا ہے جس کی اتباع کی جاتی ہو۔ اسلام میں انکی اہمیت اور لوگوں کے درمیان اس کے مقام ومرتبہ کی بناء پر میں نے اس پر معمولی جرح کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(۱۷) المشتبہ فی أسماء الرجال: محمد بن احمد بن عثمان الذہبی:

اس کتاب میں مشتبہ (ملتے جلتے ناموں والے) راویوں کے تراجم حروف معجم کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ راویوں کے درمیان پائے جانے والے شبہات اور التباسات کا عمدہ انداز میں مولف نے ازالہ فرمایا ہے۔

(۱۸) کتاب التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل

عماد الدین اسماعیل بن عمر المعروف با بن کثیر (۷۷۴ھ)

مزی کی کتاب "تہذیب" اور ذہبی کی "میزان" کے علاوہ بھی بعض اضافے اس میں یکجا کر دیے گئے ہیں محدث وفقیہ کے لئے نفع بخش کتاب ہے۔

(۱۹) تبصرۃ المنتبہ بتحریر المشتبہ: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۳ھ)

ذہبی کی کتاب "المشتبہ" کو بنیاد بنا کر آپ نے حروف کے ذریعہ ناموں کی تعیین کی کوشش کی ہے اور اس اختصار سے اجتناب کرتے ہوئے جسے ذہبی نے اختیار فرمایا ہے آپ نے متعدد مشتبہ ناموں کے درمیان واقع التباس کو بالکل کھول کھول کر واضح کیا ہے ایسے ہی بعض ناموں کا اضافہ بھی کیا ہے۔

(۲۰) لسان المیزان: احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)

امام ذہبی نے جن راویوں کے تراجم چھوڑ دیے تھے آپ نے ان کا استدراک کیا ہے۔ تقریباً (۱۴۳۴۳) ترجموں کا اضافہ کیا ہے۔

(۲۱) تہذیب التہذیب: احمد بن علی بن حجر العسقلانی

حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہے۔ راویوں کے بھرپور ترجمے درج ہیں۔ جرح وتعدیل کے باب میں عمدہ بحث کی گئی ہے۔ مرویات اور احادیث کے ذکر سے اجتناب کرتے ہوئے ان اہم امور کے تذکرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ جو راوی کی حیثیت وحالت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲۲) کتاب الثقات: زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی (۸۷۹ھ)

چار جلدوں میں ان ثقہ راویوں کے بیان پر مشتمل ہے جو صحاح ستہ کے راویوں کے علاوہ دیگر کتب حدیث کے رجال ہیں۔

(۲۳) کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: محمد عبد الحی اللکنوی الہندی (۱۳۰۴ھ)

یہ کتاب انتہائی عمدہ اور قیمتی کتاب ہے۔ جرح وتعدیل کے قواعد انکے مراتب اور ناقدین کی اصطلاحات کی تشریح بڑے عمدہ انداز میں کی گئی ہے۔ اس فن کے بعض اہم امور ونکات سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ آپ نے اس بات کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے لیے کتب جرح وتعدیل میں ناقدین کے اقوال کو نقل کر دینا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے اقوال کے مفاہیم اور انکی اصطلاحات کے معانی کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

سفر نامہ

دورۂ امریکہ مشاہدات وتأثرات

(آخری قسط)

مولانا مقبول احمد فلاحی
معاون مہتمم تعلیم وتربیت جامعۃ الفلاح

امریکی عوام اور انکے اوصاف:

چستی ونشاط: امریکی عوام میں چستی وپھرتی ونشاط کی کیفیت دیکھنے کو ملی ہر آدمی خود کو چاق وچوبند اور ہشاش بشاش، چست اور درست رکھنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ چھوٹے بڑے، امیر غریب، جوان بوڑھے، مرد خواتین ورزش یا واکنگ کا اہتمام کرتے ہیں۔ بازار، آفس، عوامی مقامات، ڈیوٹی کے اوقات ہوں یا انکے علاوہ، کسل مندی، پژمردگی، سستی کاہلی دیکھنے کو نہیں ملی۔ میں نے غور سے کئی بار جائزہ لیا کوئی فرد کہیں پیچھے یا آگے ہاتھ باندھے خراماں خراماں ٹہلتے ہوئے نہیں ملا۔ مزاجاً چوکسی یا وقت کی پابندی کا احساس انہیں چاق وچوبند رکھتا ہے۔

خوش اخلاقی وملنساری: اپنے ہوں یا پرائے۔ اجنبی ہوں یا شناسا، دوکاندار ہوں یا سیر وتفریح کرنے والے، کالے ہوں یا گورے ہر ایک سے ملاقات اس طرح خوشی سے ہوتا ہے کہ مسکراہٹ انکے لبوں پر کھیل رہی ہوتی ہے۔ ہر ایک سے Hallo کہنا گڈ مارننگ کرنا، ہاتھ ہلا کر یا کسی اور ایکشن سے اثبات کا اظہار کرنا وہاں کا کلچر ہے۔ راہ چلتے، لفٹ میں یا کہیں مل جاتے ہیں ایک دوسرے کو مسکرا کر مخاطب کرتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ کتنی مدت کی شناسائی ہے۔ تقریباً ہر فرد یا فیملی میں گاڑیاں ضرور ہیں۔ عموماً چوراہوں پر یا پارکنگ کے موقع پر ہر آدمی کو دوسرے کو سہولت دینے کی کوشش کرتا ہے۔ بھاگ دوڑ، دوسروں سے آگے بڑھ جانے، دوسروں کو تکلیف دینے، اپنے کو بالا ثابت کرنے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔ زندگی میں بڑا اطمینان ہے۔

وقت کی پابندی: سارے امریکی عوام وخواص وقت کے حد درجہ پابند ہیں۔ اوقات کو منٹوں اور سکنڈوں میں شمار کرتے ہیں۔ اور اس کا خیال کرتے ہیں۔ بسیں، ٹرینیں، میٹنگیں،

Appointment لگے بندھے Schedule کے مطابق کرتے ہیں۔ نہ وقت سے پہلے اور نہ وقت کے بعد۔ ہمارے ترجمان نے بتایا کہ میں جب نیویارک آیا تو دیکھا کہ لوگ دوڑتے ہوئے چلتے ہیں۔ میں نے سوچا آخر لوگ دوڑ کر کیوں چلتے ہیں۔ دو چار روز بعد میں بھی دوڑ کر چلنے لگا۔ وجہ یہ کہ سارا انتظام منٹ ٹو منٹ وقت کی پابندی کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ لوگ اپنے اوقات کو منظم طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ لہذا ایک پروگرام اور مصروفیت سے دوسری مصروفیت پر بروقت پہونچنے کے لئے انہیں مجبوراً یہ روش اختیار کرنی پڑتی ہے۔

قانون کی پاسداری: جس جگہ جو قانون بنا ہوا ہے کوئی فرد خود کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتا اور خود کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ چاہے ملکی قوانین ہوں یا کسی دفتر کے داخلی قوانین۔ ایئرپورٹ کے قوانین ہوں یا بازاروں میں دوکانوں کے۔ جہاں ایک سے زائد ہوتے ہیں از خود قطار بنا لیتے ہیں۔ دوسرے کے حقوق تلف نہیں کرتے۔ ٹریفک کے قوانین کو توڑ کر نکلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بعض سیاسی سطح پر اسلام پسندوں کے سلسلے میں غیر قانونی رویہ اپنانے کی اطلاعات ضرور ملی ہیں۔ مگر غالباً یہ اسلام کی اندھی مخالفت کا مخصوص طبقہ کی جانب سے یہ شاخسانہ ہے۔

صفائی ستھرائی: صفائی ستھرائی کا خاص خیال کیا جاتا ہے۔ جہاں قانون کے پاسبان کی نظروں سے بچ کر گندگی پھیلائی جا سکتی ہے وہاں بھی لوگ از خود صفائی کا خیال رکھتے ہیں، کوڑا یا کاغذ کا کوئی ٹکڑا ہرگز کوئی فرد غیر جگہ نہیں پھینکتا۔ گاڑی میں رکھے رہے گا اور کوڑے دان میں ہی ڈالے گا۔ بعض ہندوستانی، پاکستانی علاقوں میں کھلے عام پان کی دوکانیں ہیں مگر کسی جگہ پان کی پیک نظر نہیں آتی۔

سیلف سروس: چھوٹا بڑا ہر آدمی حتی الامکان اپنا چھوٹا بڑا کام خود سے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بڑے بڑے دفاتر اور اسکولوں میں چپراسی یا تو نہیں ہیں یا برائے نام۔ آفیسر ہو یا کلرک اکثر کام خود کر لیتے ہیں۔ یہاں چائے وغیرہ ضرورت پڑنے پر خود بنا لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آدمی رکھنا مہنگا پڑتا ہے۔ یہ سارے کام ہم خود کر سکتے ہیں تو آدمی کو کیوں رکھیں۔ دوسرے یہ کہ سہولیات بھی ہیں۔ کسی کام میں زحمت زیادہ نہیں اٹھانی پڑتی۔ فوٹو کاپی مشین فیکس، چائے بنانے کا آسان طریقہ وغیرہ۔ بغیر کسی خاص زحمت کے کام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گھر اور آفس کی صفائی، ان کی کٹائی و دیگر امور۔

فرائض کی ادائیگی: ہر آدمی اپنے فرائض کی ادائیگی پوری محنت اور توجہ کے ساتھ کرتا ہے۔ جس کے

اور جو کام ہے پورے انہماک کے ساتھ وہ اسے انجام دینے کی حتی المقدور سعی کرتا ہے۔ کسی جگہ اگر ۳ گھنٹے کا ہی کام ہے تو ۳ گھنٹے کی پوری ڈیوٹی انجام دے کر ہی دوسری جگہ کام کرنا بہتر تصور کرتا ہے۔ امریکہ کا ہر شہری اوسطاً ہر ہفتہ ۴۰ گھنٹے کام کرتا ہے۔ ورکنگ ایام ۵ دن ہیں گویا ہر آدمی یومیہ ۸ گھنٹے سخت محنت کرتا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں ہر ہفتہ کم از کم ۳۵ گھنٹے تعلیم دی جاتی ہے البتہ معلمین و کارکنان کے اوقات کار ۴۰ گھنٹے ہی ہیں۔ تعلیمی اوقات سے قبل اور بعد کی مصروفیات سے انکی تلافی ہوتی ہے۔

مہم جوئی: امریکی عوام میں ایک قابل قدر جوہر یہ بھی موجود ہے کہ مختلف امور و مسائل میں اختراعی و اکتشافی طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ نئے نئے مشاہدات و تجربات، خطرات سے بھرپور آزمائی، ہواؤں، جنگلوں، پہاڑوں، سمندروں میں انکشافات کی کوشش، اسی طرح تعلیم کے میدان میں نئے نئے تجربات کرنا اور ہر آن مختلف زاویوں پر غور کرکے اصلاح حال کی کوشش کرنا۔ عوام میں ۱۱ ستمبر کے بعد اسلام کو سمجھنے کی خواہش اسی جذبہ کی دین ہے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر اسلام ہے کیا؟ اسلام پسند چاہتے کیا ہیں؟ وہ کون سی قوت ہے جو امریکہ سے ٹکرا رہی ہے وغیرہ۔ گویا ہر خاص و عام کا انداز فکر اور طرز عمل مقلدانہ کے بجائے مجتہدانہ اور محققانہ ہوتا ہے۔ یہ ذہنی کیفیت اشاعت اسلام کے لیے بے حد سازگار ہوتی ہے۔

سادہ لوحی: اس سے مراد یہ ہے کہ امریکی عوام عام طور پر سادہ طبیعت اور اینچ پینچ یا عیاری و مکاری سے دور ہیں۔ وہ ہر مسئلہ کو جیسا کہ بتادیا جاتا ہے مان لیتے ہیں۔ عالمی سیاست میں جو پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں اور ظاہر و باطن کا جو فرق نظر آتا ہے وہ ان کے ذہن سے پرے ہے۔ باہمی روابط، معاملات وغیرہ میں بتانے والے کی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر الیکشن مہمات میں ریڈیو اور ٹی وی مناظرات و اعلانات کو حقیقت پر محمول کر کے اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح امریکی سیاست دانوں کے وہ اعلانات و حقائق جو اصلاً مکاری و عیاری پر مبنی ہوتے ہیں سیدھے سادے طریقے سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ امریکی صدر اگر کہتا ہے کہ اسامہ بن لادن اور صدام حسین عالمی امن کے لئے خطرہ ہیں تو بے چارے عوام اسے بھی مان لیتے ہیں۔ کیونکہ طبعاً وہ بہت سادہ لوح واقع ہوئے ہیں۔ سادہ لوحی کی حد یہ ہے کہ وہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اسے بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ ارباب حل و عقد نے جان

بوجھ کر انہیں اندھیرے میں رکھا ہے۔ انہیں اصلاً دوسروں کے معاملات سے زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے۔ ۸ گھنٹہ محنت کرنے کے بعد "Injoy" کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ چھٹی کے ایام میں بالکل خالی الذہن ہو کر تفریح کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ انہیں کچھ زیادہ سوچنے اور مسائل کی باریکی میں جانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

جنسی بے راہ روی: یہ حقیقت ہے کہ امریکی عوام کی نظر میں جنسی جذبات کی تسکین کے لئے کوئی منظم اصول نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دیگر چوپایوں کی طرح انہیں بھی اپنے جذبات کی تسکین کی ضرورت ہے۔ انکے لئے کسی اصول و قاعدے کے پابند ہونا نہیں چاہئے۔ یہاں کا کلچر ہے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو بس یہ اصول انکے سامنے ہوتا ہے۔ مرضی سے ہر کام ہر جگہ کیا جاسکتا ہے۔ تھوڑی طبعی حیا کی بناء پر بر سر عام اختلاط سے پرہیز کرتے ہیں ورنہ بوس و کنار کرنا، بغلگیر ہونا یہ عام سی بات ہے اور دوسرا کوئی کسی کی حرکت پر نہ متوجہ ہوتا ہے اور نہ برا مانتا ہے۔

عائلی انتشار: امریکی والدین، بچوں کی کفالت کی ذمہ داری عام طور ہائی اسکول (درجہ ۱۲) کی سطح تک نبھاتے ہیں۔ اسکے بعد بچے کی اپنی ذاتی ذمہ داری ہے کہ اپنی آگے کی تعلیم کا خود انتظام کرے۔ اپنی آمدنی سے اپنی زندگی کی گاڑی آگے بڑھائے۔ اب اسے اپنی تعلیم، مکان، شادی و بیاہ اور دیگر معاشرتی ذمہ داری بذات خود انجام دینی ہے۔ والدین کی مرضی یا مداخلت نہ کے برابر ہے۔ اس روایت کے پیش نظر شعور کی ابتدائی منزل ہی پر بچے محنت "Job" کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں عموماً ہائی اسکول کی آخری منزل سے قبل ہی خود کفیل ہونے کی جد و جہد میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ والدین اور اولاد میں کوئی معاشرتی رشتہ باقی نہیں رہتا اور جب والدین بڑھاپے کی منزل میں داخل ہوتے ہیں تو اولاد انکے لئے فکر مند نہیں ہوتی۔ البتہ حکومتی سطح پر سینئر سٹیزن سنٹر بنے ہوتے ہیں۔ بوڑھے وہاں منتقل ہو جاتے ہیں اور وہاں نرسوں کی نگرانی میں اپنا بڑھاپا کاٹتے ہیں۔ سینئر سٹیزن سنٹر میں جا کر بڑا ترس آیا۔ ساری سہولت کے باوجود معاشرتی اور خاندانی خوشی سے محروم بوڑھے، بوڑھیاں بڑے کرب میں اپنا وقت گذارتے ہیں۔

مستثنیات: اوپر چند اوصاف و خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ اصل غالب آبادی کے غالب رجحانات و خصائص ہیں، ورنہ مخلوط معاشرہ کی وجہ سے ہر شق میں مستثنیات مل جائیں گی۔ دنیا کے

مختلف خطوں سے لوگ آکر آباد ہوتے رہے ہیں۔ اور یہ نو واردین اپنے ملک وتہذیب کی خصوصیت و عادات کے ساتھ آئے ہیں۔ اگرچہ کافی کچھ نو واردین نے خود کو امریکی معاشرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے مگر اسکے باوجود نگروں کے اندر بعض کمزوریاں نمایاں نظر آئیں گی۔ کالوں کی آبادی تہذیب و شرافت میں بہت پیچھے ہے۔ اسی طرح برصغیر سے منتقل کرنے والے افراد ہیں۔ انہوں نے اپنے اندر خاص خوبیاں ڈیولپ کرلی ہیں مگر ابھی بھی پرانی عادتیں، بدنگی اور بے اصولی کے آثار بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ خود امریکی بہت کچھ حقیقت پسند اور منصفانہ مزاج رکھنے کے باوجود ایک طبقہ اسلام اور مسلمانوں کے تئیں سارے اصول بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔

امریکی معاشرے کا تجزیہ: امریکی حکومت کی بعض خارجہ پالیسیوں کے سبب دنیائے انسانیت اور بطور خاص دنیائے اسلام میں امریکہ کے خلاف شدید غم وغصہ اور نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ان جذبات کا پایا جانا فطری اور بدیہی ہے۔ لیکن نفرت وعداوت اور رقابت وسعت صحیح تجزیاتی بنیادوں پر ہونی چاہئے۔ مناسب تجزیہ نہ ہونے کے سبب اس میں اکثر توازن قائم نہیں رہ پاتا ہے۔ جبکہ عدل وقسط اور حقیقت پسندی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔

دنیا کے اور حصوں کے بالمقابل امریکہ ایک نوزائیدہ مملکت ہے اور امریکی معاشرہ کثیر الجہات مخلوط معاشرہ ہے۔ مذہب، زبان، رنگ و نسل، نقل مکانی، سماجی و معاشی اعتبار سے بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ امریکی معاشرہ اور اسکے اجزائے ترکیبی کا مطالعہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس موضوع پر کافی تحقیقات وتصنیفات کا سلسلہ جاری ہے۔

اس تنوع اور گوناں گونی میں امریکی عوام کی تقریباً ۹۵ فیصد اکثریت حقیقت پسند، متلاشی حق، انصاف پسند اور انسانیت دوست ہے۔ کم گوئی، بہادری، محنت ومشقت، وفائے عہد، ایمانداری میں ان کا تناسب کافی بلند ہے۔ اصول پسندی، قانون کی پابندی، وقت کی پابندی، مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بہت بہتر ہیں۔ میرے ناقص مشاہدے کے مطابق امریکی عوام کی خصلتیں کافی حد تک عرب دور جاہلیت کے عوام سے ملتی جلتی ہیں۔ مجھے عوام بہت پسند ہیں۔ امریکی سماج کا ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو کسی نہ کسی طور پر عوامی اداروں کا پاسبان ہے۔ کلیدی مناصب اور مقام کا حامل ہے۔ سیاسی معاملات میں دخیل ہے۔ یہ ادارے مرکزی سطح پر کانگریس، سینیٹ اور ریاستی سطح کے ادارے اور

اس سے نیچے کے سطح کے ادارے ہیں۔

اصلاً یہ افراد بھی امریکی معاشرے ہی کے پیدا کردہ اور اسی سے نکلے ہوئے ہیں۔ علمی اور ذہنی سطح پر بحیثیت مجموعی بلند مقام کے حامل ہیں۔ ان کی پالیسیاں اور رویے اندرون امریکہ اور بیرون دنیا پر اثر انداز ہوتی ہیں دراصل انہیں کا طرز عمل دنیا کے منظرنامے پر آتا ہے اور اسی سے دنیائے انسانیت امریکہ کے سلسلے میں منفی یا مثبت رائے قائم کرتی ہے۔

ایک تیسرا طبقہ بھی موجود ہے جسے اصل کارفرما قوت کہہ سکتے ہیں یہ طبقہ شاطر یہودیوں کا ہے۔ یہ طبقہ حد درجہ منظم ہے اسکی پالیسیاں دوررس ہیں، اسکے عزائم نہایت شاطرانہ اور غیر انسانی ہیں۔ اسکے پیش نظر عالمی سطح پر نسلی برتری، سیاسی بالادستی اور عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے۔ اپنے مذموم مقاصد کے لیے انہوں نے کافی محنت کی ہے اور کر رہے ہیں۔ ان کا بچہ بچہ اپنے مقصد کے لئے یکسو ہے اور اسکے لیے قربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ طویل منصوبہ بندی اور محنت شاقہ کے نتیجہ میں انہوں نے پوری دنیا اور بطور خاص امریکہ کے بنیادی وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے۔ دولت کا بہاؤ اور ذرائع ابلاغ اسکے کنٹرول میں ہیں۔ یہ طبقہ عوام الناس اور عوامی اداروں کے پاسبانوں کے درمیان نہایت چابکدستی سے اپنے اثرات ڈالتا ہے۔ انتخابات جیتنے کے لیے وسائل فراہم کرتا ہے اور اسکے عوض خفیہ معاہدے کرتا ہے۔ ان معاہدوں کا علم عوام کو نہیں ہوتا۔ معاہدات کی پاسداری کے لیے انہیں اپنے ضمیر کو ذبح کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طور سے بلیک میل کیے جاتے ہیں کہ بسا اوقات خواہش کے باوجود بھی صحیح بات نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہمت مجتمع کر کے کوئی اقدام کرتے بھی ہیں تو انہیں اس کا بہت مہنگا سودا چکانا پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا تینوں طبقات میں مجرم نمبر ایک کون ہے دوسرے درجے میں کس کا جرم بنتا ہے جرم کے اعتبار سے نفرت ہونی چاہیے۔

بلاشبہ امریکہ کی خارجہ پالیسی اسلام اور مسلم دشمنی ہے۔ مگر اس پالیسی میں اصل کارفرما قوت یہودی کی ہے۔ اور یہود قرآنی اعلان کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک تھے، ہیں اور رہیں گے۔

اسکے بعد جرم ان افراد کا ہے جو انکے ہاتھوں معمولی مفاد پانے کے لیے ہر انسانی جرم پر آمادہ

نظر آتے ہیں۔ خواہ بلیک میل ہی کے تحت نگران کا جرم بھی ناقابلِ معافی ہے مگر پھر بھی دوسرے درجے کا ہی ہے۔

رہا عوام الناس کا ۹۵ فیصد طبقہ تو وہ بہر حال قابلِ رحم ہے۔ بہر حال ان کے سینے میں ہمدردی سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اس طبقہ کے لیے یہ قول ہے کہ عوام الناس کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں لانے کی کوشش ہونی چاہیے۔

اقامتِ دین کا عالمی لائحہ عمل: الکفر ملۃ واحدۃ کی حقیقت آج دنیا میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ دنیا کی حیثیت ایک "Global Village" کی ہو گئی ہے۔ اور اکثر معاملات عالمی تناظر میں دیکھے جاتے اور طے پاتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں مخالفینِ اسلام نے جس قدر متحدہ کوششیں کی ہیں اس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ اس کے بالمقابل اہلِ اسلام کی کوئی عالمی اسٹریٹجی نہیں ترتیب پا سکی ہے۔ اسلام پسند تحریکوں کا دائرہ اپنے ممالک کے جغرافیائی حدود میں محدود ہے۔ اکابرینِ اسلام کی عالمی سطح پر نہ کوئی نشست ہوتی ہے اور وہ اس موضوع پر مشترکہ لائحہ عمل بنتا ہے۔ جبکہ دورِ حاضر کا بنیادی تقاضہ ہے کہ مخالفینِ اسلام کے عزائم کی توڑ کے لئے عالمی سطح پر حکمتِ عملی مرتب کی جائے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سرگرمیوں کا محور امریکہ بنا ہوا ہے اور خود امریکہ کی نکیل اسلام ازلی دشمن یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ کی سرپرستی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سیاسی، معاشی، تہذیبی، حربی دباؤ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ دنیا کے مجموعی حالات یہودیوں کی منزلِ مقصود عظیم تر اسرائیل کے لئے موافق ہوتے جا رہے ہیں۔ باطل نے تسلط و غلبہ کے عملہ وسائل پر قبضہ کر لیا ہے۔ سامانِ حرب و ضرب، ذرائع ابلاغ، مادی وسائل، اور دیگر بنیادی وسائل پر باطل کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔

سوال یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں اہلِ اسلام کے لئے دفاعی یا اقدامی کیا حکمتِ عملی ہو سکتی ہے۔ کیا اہلِ حق قوت اور وسائلِ حرب کے میدان میں باطل کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں؟ کیا ذرائع ابلاغ کی دنیا میں اپنا کوئی مقام بنا سکتے ہیں یا دولت کے بہاؤ کا رخ پھیر سکتے ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ ان محاذوں پر کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ کوشش ضرور کی جانی چاہیے کہ تائیدِ ایزدی کے استحقاق کے لئے کوشش شرطِ اول ہے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ سر دست اہلِ حق کا باطل کے بالمقابل کوئی تناسب نہیں ہے۔ حضور کے دور میں حق و باطل کے درمیان مسلسل معرکہ آرائی رہی۔ لیکن وہاں

کوئی نہ کوئی تناسب ضرور نظر آتا ہے۔ ایک ہزار کفار کے مقابلے میں ۳۱۳ رجال سپاہیانِ اسلام نظر آتے ہیں۔ تلواروں کے مقابلے میں تلواریں ہیں گرچہ پرانی اور کمتر درجے کی ہیں۔ تھوڑے اگر مخالف کے پاس زیادہ ہیں تو اہلِ اسلام کے پاس بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہے مگر آج کے معرکہ میں تو کسی درجہ میں کوئی تناسب ہی نہیں بنتا ہے۔ اور اگر بنانے کی کوشش بھی کی جائے تو اولاً بڑی رکاوٹیں حائل ہیں اور اگر رکاوٹوں کے باوجود پیش رفت کی جائے تو باطل کی ترقی کی رفتار کئی گنا تیز ہے۔ لہذا ظاہری وسائل میں بظاہر کامیابی کے امکانات مسدود نظر آتے ہیں۔ دیکھنا ہوگا کہ اس شبِ تاریک میں منزل کے کچھ نشانات کس طرح نظر آتے ہیں۔

میں نہایت شرحِ صدر اور اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک محاذ ایسا ہے جہاں باطل کی طرف سے کوئی Competition نہیں ہے۔ اس محاذ کی لام بندی اور منصوبہ بازی کا کوئی توڑ نہیں ہے اور کامیابی کے لئے آزمودہ اور موثر محاذ رہا ہے۔ وہ محاذ غیر مسلمین میں اسلام کی دعوت کا محاذ ہے۔

یہودیوں نے امریکہ کو آلۂ کار بنا کر اپنی جارحانہ مہم چھیڑ رکھی ہے اہلِ اسلام کو بھی امریکہ ہی پر توجہ مرکوز کر کے دعوتی محاذ پر زبردست قوت صرف کرنی چاہیے۔ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ امریکہ کی ۹۵ فیصد اکثریت کی افتادِ طبع اور ذہنی میلان قبولِ دعوت کے لئے حد درجہ موزوں ہے۔ سلامتِ طبع اور بنیادی انسانی اقدار کے اعتبار سے امریکی عوام سے بہتر دوسری کوئی قوم بھی نہیں ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اہلِ اسلام اگر اسی محاذ پر توجہ دیں اور منصوبہ بند کوشش کریں تو جن امریکی عوام کا استحصال کر کے امریکی سیاستداں یہودیوں کی حکمتِ عملی کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دباؤ بڑھاتے جا رہے ہیں ان کے پیروں کی زمین سرک جائے گی۔

سیدھے سادے عوام جن کی بنیاد پر یہ ہنگامہ آرائی ہے وہ Auedence ان سے چھن جائے گا۔ یہ ایک ایسی حکمتِ عملی ہوگی جس میں باطل کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس محاذ پر کوئی Competition ہی نہیں ہے۔ لہذا جتنی جلد ممکن ہو سکے اس محاذ پر زبردست یلغار کر دی جانی چاہیے۔ یہ کام ایسی حکمتِ عملی اور پھرتی سے ہو جانا چاہیے کہ باطل کو سنبھلنے اور اس کی توڑ کے لئے منصوبہ بندی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

اللہ کا شکر ہے امریکہ میں موجود مسلمانوں کا ایک محدود طبقہ فریضۂ دعوت کی ادائیگی کی جانب متوجہ ہے۔ مگر یہ توجہ برائے نام ہی ہے۔ ان میں سے بیشتر افراد کا کسی نہ کسی طرح کا تعلق اخوان المسلمون، جماعتِ اسلامی پاکستان اور جماعتِ اسلامی ہند سے ہے۔ بحیثیت مجموعی دعوت کی طرف متوجہ ہونے والوں کی تعداد ان کی سترہ لاکھ کی مجموعی تعداد کا ایک فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ ان ایک

فیصد لوگوں میں سے بڑی تعداد ابھی تک امریکہ کو اپنا ہدف نہیں بنا سکی ہے۔ لوگوں کی دلچسپیاں اور توجہات اپنے ممالک کی تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں حالانکہ خود ان ممالک کے قائدین کو چاہیے کہ اپنے کارکنوں کو امریکہ پر توجہ دینے کی ہدایت فرمائیں۔ ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جس سے یہ افراد امریکی عوام میں دعوتی کاموں کے بجائے دوسرے کاموں پر متوجہ ہیں۔

ان ساری کمزوریوں کے باوجود جو قبول اسلام کے رفتار کا سلسلہ ہے وہ عوام کے اندر کی آگ اور جذبہ تلاش حق کا نتیجہ ہے۔

بقول ڈاکٹر احمد توتنجی صاحب آئی آئی آئی ٹی ۱۱ ستمبر سے قبل قبول اسلام کی رفتار تقریباً ۱۵ ہزار سالانہ تھی جو بعد میں ۲۵ ہزار سالانہ ہوگئی ہے۔ اعداد میں مبالغہ ہوسکتا ہے مگر پھر بھی بڑی تعداد مائل بہ اسلام ہے اور اس میلان کے پیچھے کارکنان اسلام کی منصوبہ بندی کے بجائے عوام کے جذبات وطبعی میلانات کا حصہ زیادہ ہے۔

اب اگر اہل اسلام کی جانب سے منصوبہ بند کوشش بھی ہوجائے تو بلاشبہ ایک زبردست تبدیلی آسکتی ہے۔ مگر تجزیہ کرنے سے پتا چلا کہ موجودہ کوششیں غیر تشفی بخش ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ امریکہ میں سرگرم عمل چھوٹی بڑی تنظیموں کا ایک مضبوط اور موثر وفاق ہونا چاہیے۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کا کوئی وفاق قائم بھی ہے۔ مگر اعلانات کے مطابق یہ وفاق بہت سرگرمی اور موثر رول نہیں ادا کرپارہا ہے۔ دوسرے مرحلے میں اس وفاق کی پالیسی و پروگرام کا ترجیح اول غیر مسلموں پر دعوتی کام ہونا چاہیے۔ تنظیموں کی سطح پر دعوت کی طرف بہت زیادہ میلان نہ ہونے کی وجہ غالباً اس کی اہمیت کا کما حقہ واضح نہ ہونا یا امریکہ کی سرزمین کو ہدف اول نہ قرار دینا ہے۔ ممکن ہے مخصوص ذہنی ونفسیاتی پستی کی وجہ سے اس نہج پر کام نہ ہوپارہا ہو۔

امریکی کارکنان اسلام کے ذہن ومزاج کو دعوتی رخ دینے میں ایک موثر کردار ان تنظیموں کے قائدین ادا کرسکتے ہیں جن سے نکل کر یہ افراد امریکہ آئے ہیں۔ میری مراد اخوان المسلمون، جماعت اسلامی پاکستان وہند وغیرہ ہیں۔ قائدین تحریکات اسلامی کی سطح پر غور وخوض اور لائحہ عمل کی ترتیب کے لئے انہیں میں سے کسی کو پہل کرنی ہوگی۔

خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اکثر باشعور افراد امریکی مسلمانوں کے دعوتی کردار کی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں اور ۱۱ ستمبر کے بعد بعض افراد اور اداروں نے قابل ذکر کام بھی کیا ہے۔ بس اب موجودہ مرحلہ میں ایسا لگتا ہے کہ داعین ومدعوئین ہر دو جانب آگ لگی ہوئی ہے بس ذرا اسے Manage منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ اب دیکھئے اللہ تعالیٰ یہ کام کس سے اور کیسے لیتا ہے۔

مذاہب عالم

توریت کا تعارف

(۳)

انیس احمد مدنی

توریت کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل:

توریت وہ آسمانی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت ورہنمائی کے لئے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ یہودیوں نے اگرچہ اس میں لفظی ومعنوی تحریف کردی ہے لیکن پھر بھی اس میں علم الٰہی کے شرارے بلاشبہ موجود ہیں۔

اس میں وحی کے موجود ہونے کی دو بڑی شہادتیں ہیں۔

۱۔ توریت کی بعض آیات کا جدید سائنسی تحقیقات کے عین مطابق ہونا۔

۲۔ قرآن مجید کا اس کے وحی اور منزل من اللہ ہونے کی شہادت اور اس امر کا اعتراف کہ آج بھی اس میں وحی الٰہی کے بعض اجزا موجود ہیں۔

۱۔ توریت کی بعض آیات کا جدید سائنسی تحقیقات کے عین مطابق ہونا۔

چین کے نوجوان طلبہ کی ایک جماعت جو حکومت کے زیر اہتمام کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہی تھی ان میں سے تقریباً بارہ افراد نے برکلے کے گرجا گھر میں جاکر پادری سے کہا کہ وہ ان کے لئے اتوار کی ایک کلاس کا انتظام کرے۔ چینی نوجوانوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ انہیں ذاتی طور پر عیسائیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ وہ خود عیسائی بننا چاہتے البتہ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس مذہب نے امریکی تمدن پر کتنے اثرات ڈالے ہیں۔ پادری نے اس جماعت کی ہفتہ وار تعلیم کے لئے ریاضیات اور فلکیات کے ایک عالم (Peter.W. Stoner) کو مقرر کیا۔ اس واقعیت کے چار مہینے بعد تمام نوجوانوں نے عیسائیت قبول کرلی اس غیر معمولی تبدیلی کی وجہ کیا تھی۔ اس کو خود معلم کی زبان سے سنئے۔

ہمارے سامنے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کے سامنے مذہب کی

کو زیر بحث لایا جائے کیونکہ یہ نوجوان بائبل پر سے اپنا ایمان کھو رہے تھے۔ بائبل کی محض روایتی تعلیم بے فائدہ معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا میں نے اپنی تعلیم کے زمانے میں بائبل کے پہلے باب (کتاب پیدائش) اور سائنس میں بہت قریبی مناسبت پائی تھی میں نے فیصلہ کیا کہ اس جماعت کے سامنے یہی بات پیش کروں گا۔

میں اور طلبہ قدرتی طور پر اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ کائنات کی پیدائش کے متعلق یہ مواد زمین و آسمان کے بارے میں سائنس کی موجودہ معلومات حاصل ہونے سے ہزاروں سال پہلے لکھا گیا ہے۔ ہمیں یہ بھی احساس تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کائنات کے متعلق لوگوں کے جو خیالات تھے اس کو موجودہ زمانے کی معلومات کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ نہایت لغو معلوم ہوں گے۔

ہم نے پورا موسم سرما کتاب پیدائش کے پہلے باب میں گزار دیا۔ طلبہ کام لے کر یونیورسٹی کی لائبریری میں چلے جاتے اور بڑی محنت کے ساتھ جوابات تیار کر کے لاتے موسم سرما کے خاتمے پر پادری نے مجھے بتایا کہ طلبہ کی پوری جماعت اس کے پاس یہ کہنے کے لئے آئی تھی کہ ہم عیسائی بننا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اقرار کیا کہ ان کے اوپر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ بائبل خدا کی الہامی کتاب ہے۔ (The Evidence Of God- P.P. 137-138)

مثال کے طور پر زمین کی ابتداء کے بارے میں کتاب پیدائش کا فقرہ ہے۔ ''خدا نے ابتداء میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران و سنسان تھی اور گہرائیوں پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ (باب ۱/۱، ۲)

یہ موجودہ معلومات کے مطابق اس وقت کی بہترین تصویر ہے جب زمین ابھی گرم تھی۔ اس کی گرمی سے پانی بخارات بن کر اڑ گیا تھا۔ اس وقت ہمارے تمام سمندر کثیف بادلوں کی شکل میں فضاء میں معلق تھے اور اس کی وجہ سے روشنی زمین کی سطح تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔

(علم جدید کا چیلنج۔ وحید الدین خان، ص ۱۹۳۔۱۹۵)

۲: قرآنی شہادت:

قرآن کریم کی متعدد آیات تورات کے کتاب الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ متعدد آیات میں تورات کی درج ذیل صفات کا تذکرہ وارد ہے۔

(۱) تورات وحی الٰہی پر مشتمل ہے۔ (۲) تورات روشنی وہدایت کی کتاب ہے۔ (۳) مومنین کے لئے یاددہانی ہے۔ (۴) حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ (۵) مومنوں کے لئے باعث رحمت ہے۔ (۶) تورات میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔

چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱: انا انزلنا التورٰۃ فیھا ھدی و نور (المائدہ: ۴۴)

''یقیناً ہم نے تورات نازل کیا جس میں ہدایت اور روشنی ہے''

(۲) ثم آتینا موسی الکتاب تماما علی الذی أحسن و تفصیلا لکل شیئ و ھدی و رحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون۔ (الانعام: ۱۵۴)

''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی جو مکمل اور ہر چیز کے بیان پر مشتمل ہے اور مومنین کے لئے باعثِ رحمت ہے، شاید وہ اپنے رب سے ملاقات پر یقین رکھیں''

۳: و لقد آتینا موسی و ھارون الفرقان و ضیاء و ذکرا للمتقین الذین یخشون ربھم بالغیب (سورۃ الانبیاء: ۴۸-۴۹)

''ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ایسی کتاب عطا فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی غیب میں رہتے ہوئے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے روشنی اور یاددہانی ہے''

۴: و لقد آتینا موسی الھدی و اورثنا بنی اسرائیل الکتاب ھدی و ذکری لأولی الالباب۔ (غافر: ۵۳-۵۴)

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا جو عقلمندوں کے لئے ہدایت اور یاددہانی کرنے والی ہے''

یہودیوں کے نزدیک تورات کا مقام و مرتبہ:

یہودی تورات کو اپنا دستور مانتے ہیں۔ مشہور یہودی رہنما کلاٹز کین کہتا ہے ''تورات ایک مکمل نظام حیات ہے۔ یہی کتاب انہیں متحد رکھ سکتی ہے ان کے تعلقات کو باہم مضبوط کر سکتی ہے۔ اور ان کی غیر واضح شخصیت کے وجود کی تنظیم تورات ہی کر سکتی ہے اور اسی نظام کے پیچھے یہودی حکومت کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

(الیہود و زہدی الفلاح ص ۱۴۱)

یہودی توریت کے احکام کو ابدی و ازلی مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ کتاب تا قیامت ان کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس کے احکام کبھی منسوخ نہیں ہو سکتے۔

"یسعیاہ" میں ہے "اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میری روح جو تجھ پر ہے اور میری باتیں جو میں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں تیرے منہ سے اور تیری نسل کے منہ سے اور تیری نسل کی نسل کے منہ سے اب سے لیکر ابد تک جاتی رہے گی خداوند کا یہی ارشاد ہے (یسعیاہ باب ۵۹/۲۰۔۲۱)

یہودی اسے قانون و شریعت کی کتاب مانتے ہیں جن پر عمل کرنا ہر اسرائیلی پر فرض ہے۔ "سفر تثنیہ میں ہے: اور اے اسرائیلیو! جو آئین اور احکام میں تم کو سکھاتا ہوں تم ان پر عمل کرنے کے لئے ان کو سن لو تا کہ تم زندہ رہو اور اس ملک میں جسے خداوند تمہارے باپ دادا کا خدا تم کو دیتا ہے۔ داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لو، جس بات کا میں تم کو حکم دیتا ہوں اس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ کچھ گھٹانا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے احکام کو جو میں تم کو بتاتا ہوں مان سکو" (باب ۴/۱۔۲)

ہر یہودی اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ توریت کے احکام کو بجا لائیں اور اس کی ہر ہر تعلیم پر عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی برکتوں و رحمتوں کے دروازے کھول دے گا اور انہیں ارض کنعان (ارض فلسطین) کو بطور انعام سکونت کے لئے عطا فرمائے گا۔ سفر تثنیہ میں ہے! میری ان باتوں کو تم اپنے دل اور اپنی جان میں محفوظ رکھنا اور نشان کے طور پر ان کو اپنے ہاتھوں پر باندھنا اور وہ تمہاری پیشانی پر ٹیکوں کی مانند ہوں اور تم ان کو اپنے لڑکوں کو سکھانا اور تو گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے وقت ان ہی کا ذکر کیا کرنا اور تو ان کو اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اپنے پھاٹکوں پر لکھا کرنا تا کہ جب تک زمین پر آسمان کا سایہ ہے تمہاری اور تمہاری اولاد کی عمر اس ملک میں دراز ہو جس کو خداوند نے تمہارے باپ دادا کو دینے کی قسم کھائی تھی۔ (باب ۱۱/۱۸۔۲۲)

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

کلیۃ البنات میں شعبہ حفظ کا قیام:

جامعۃ الفلاح میں طالبات کی تعداد فی الوقت طلبہ کے مقابلے میں زیادہ ہے، موجودہ تعداد طالبات تقریباً ۷۰۰ ہے۔ کافی دنوں سے کلیۃ البنات میں شعبہ حفظ کے قیام کا مسئلہ زیر غور تھا۔ بہت سے سرپرستوں کا مسلسل اصرار تھا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں میں بھی شعبہ حفظ قائم کیا جائے۔ مگر ضروری وسائل کی قلت کے سبب قیام میں تردد تھا، ادھر بعض احباب کے شدید اصرار اور ممکنہ وسائل کی فراہمی کی امید پر اس سال شعبہ حفظ قائم کر دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے لئے بروقت دو کمروں کی تعمیر ہوئی ہے اور خواہشمند طالبات اور ان کے سرپرست داخلہ دلا رہے ہیں۔ حفظ کے ساتھ تجوید کی بھی تعلیم پیش نظر ہے۔ یوں جامعہ کے تمام درجات میں قرآن کے کچھ حصے ہر طالب علم کو حفظ کرنے ہوتے ہیں اور حفظ قرآن باقاعدہ امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ شعبہ حفظ پورے کلیۃ البنات میں نظام حفظ پر نظر رکھے گا اور بطور خاص مکمل حفظ قرآن کے لئے داخل ہونے والی طالبات کو باقاعدہ حفظ کرائے گا۔

قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ یہ شعبہ تمام وابستگان جامعہ، خیر خواہان اور پوری ملت کے لئے باعث خیر و برکت ثابت ہو۔ سر دست اس شعبہ میں تین قاریہ و حافظہ کا تقرر کیا جا رہا ہے۔

تعمیر و مرمت اور صفائی:

تعمیر و مرمت جامعہ کا ایک مستقل شعبہ ہے اس کے تحت ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ چند ماہ کے اندر ہونے والے قابل ذکر کام درج ذیل ہیں۔

۱: ڈپارٹمنٹل اسٹور:

باب الجامعہ (جامعہ کا صدر دروازہ) سے متصل لب سڑک شمال جانب جو خالی جگہ تھی وہاں پر 37×38 ایک عظیم عمارت کی تعمیر ہو چکی ہے۔ [illegible] میں اس کی دو منزل تعمیر ہو [illegible]

بچے کے لئے ہیں سڑک کی جانب سے دو شٹر دروازے لگائے گئے ہیں اور کیمپس کے اندر ایک شٹر دروازہ ہے۔ اس اسٹور میں جامعہ کے طلبہ و طالبات، اساتذہ کو پیش آنے والے ضرورت کے سامان رکھے جائیں گے۔ مثلاً کتابیں، کاپیاں، اسٹیشنری اسپورٹس، رجسٹر، ادارہ علمیہ کی مطبوعات، اسلامی لٹریچر یونیفارم وغیرہ۔ مناسب قیمت پر متعلقین جامعہ اور دیگر خواہش مند حضرات کو تھوک اور چھوٹکر سپلائی دی جائے گی۔ اس میں فوٹو کاپی مشین بھی ہوگی۔ اس سے متصل گیٹ کے کمرے میں پی.سی.او.اور کوٹیکیشن سسٹم لگایا گیا ہے۔

عمارت مکمل ہوگئی ہے۔ شٹر اور دروازے لگ گئے ہیں۔ پلاسٹر اور صفائی ہوگئی ہے۔ فرنیچر کا کام جاری ہے۔ کام کرنے والے افراد اور ضروری لوازمات کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔ امید ہے کہ مارچ کے اوائل میں باقاعدہ آغاز ہو جائے گا۔

۲: تحفیظ القرآن برائے طالبات:

تحفیظ القرآن کے لئے موجودہ کلیۃ البنات کی بالائی منزل جس میں شعبہ ثانوی قائم ہے۔ اس سے متصل مغرب شمال جانب دو کمرے زیر تعمیر ہیں۔ 20×30 کے دو کمرے بنائے جارہے ہیں اس میں شعبہ حفظ کے دو سیکشن چلائے جائیں گے۔

۳: عمارتوں کی وہائٹ واشنگ اور پینٹنگ:

کافی دنوں سے عمارتوں کی صفائی ستھرائی اور وہائٹ واشنگ نہیں ہوسکی تھی مگر الحمد للہ بعض احباب کی توجہ سے اس سال یہ کام شروع کیا گیا ہے شعبہ طلبہ سے متعلق عمارتوں کی صفائی تقریباً مکمل ہوگئی ہے اور عنقریب شعبہ طالبات کی صفائی کا کام بھی مکمل ہو جائے گا۔ اصحاب خیر سے اس کام کی تکمیل میں تعاون کی اپیل ہے۔

۴: وسائل کی قلت کے سبب بہت سے کام ادھورے پڑے ہیں۔ دھیرے دھیرے کوشش کی جارہی ہے کہ تھوڑا تھوڑا کام آگے بڑھے۔ اس پروگرام کے تحت اس سال طیبہ منزل (چھوٹے بچوں کا دارالاقامہ) جس کے بالائی منزل میں اب تک پلاسٹر اور کھڑکیوں کا کام نہیں ہوا تھا۔ سر دست اوپر کے جنگلوں میں کھڑکیاں لگوادی گئی ہیں۔

۵: درجات کے لئے فرنیچر:

جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے کہ ایک ترتیب کے ساتھ درجات میں فرنیچر کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔ الحمد للہ گذشتہ تین سالوں میں شعبہ اعلیٰ طلبہ/طالبات، شعبہ ثانوی طلبہ/طالبات میں فرنیچر کی فراہمی کا کام مکمل ہو گیا ہے۔ رواں تعلیمی سال میں شعبہ ابتدائی طلبہ کے لئے فرنیچر کی فراہمی کا کام جاری ہے۔ ایک سیکشن میں اوسطاً ۱۲ سٹ کی ضرورت ہوتی ہے ایک سٹ پر تقریباً سات سو (۷۰۰) روپے خرچ ہوتے ہیں اس طرح ایک درجہ کے مکمل فرنیچر کے لئے دس ہزار روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے اصحاب خیر حضرات ایک سٹ، پانچ سٹ، یا پورے درجہ کا فرنیچر فراہم کرا رہے ہیں۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اس سال پرائمری طلبہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔

۶۔ پارک، کھیل کا میدان، مسجد کا لان، لائبریری کا کمپاؤنڈ اور دیگر جگہوں کو صاف ستھرا رکھنے اور پھول پودے لگانے کا کام جاری ہے۔ الحمد للہ ان کوششوں سے جامعہ میں نئی رونق آرہی ہے۔

پی.سی.او.کا قیام:۔

اکثر طلبہ کو فون کرنے کے لئے عموماً احاطۂ جامعہ سے باہر .p.c.o کی دوکانوں پر جانا پڑتا تھا یہ سلسلہ رات دیر تک جاری رہتا تھا اس سے تربیت و نگرانی کا نظام بھی متاثر ہوتا تھا متعلقین جامعہ کی سہولت کے لئے صدر دروازے سے متصل کمرے میں براہ راست جامعہ کی نگرانی میں .p.c.o لگادیا گیا ہے p.c.o - کا فون نمبر:225115 ہے اس سے اسٹرکام سے مطلوبہ نمبر بک کرا کے فون کر سکیں گے کیونکہ اس نمبر پر کانفرنس کی سہولت حاصل ہے۔ بوقت ضرورت اسی نمبر پر فون ریسیو بھی ہو سکیں گے۔

جامعۃ الفلاح پر ڈاکٹریٹ کی تکمیل:

اس سے پہلے یہ خبر دی گئی تھی کہ جناب غلام نبی تگلی صاحب، جناب ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی ریڈر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی رہنمائی میں جامعۃ الفلاح پر ریسرچ کر رہے ہیں، الحمد للہ ان کی تھیسس تیار ہو کر آگئی ہے اور اسی پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی مل ہے۔

سہ روزہ سیمینار:

مجلس عاملہ کے فیصلے کے بموجب ۱۶، ۱۷، ۱۸ / جولائی ۲۰۰۳ء کو جامعہ میں ''دعوت اسلامی

اور مدارس دینیہ" کے عنوان کے تحت ایک سہ روزہ سیمینار منعقد ہوگا۔ اس سیمینار کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔ براہ کرم ملاحظہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازیں۔

مرکزی عنوان: "دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ"

ذیلی عناوین:

۱: دعوت اسلامی مفہوم "اھمیت ، اور طریقہ کار"

☆ دعوت اسلامی مفہوم اور اہمیت۔ ☆ طریقۂ دعوت اور اسوۂ انبیاء۔

☆ طریقۂ دعوت اور اسوۂ رسول ﷺ۔ ☆ طریقۂ دعوت ہندوستان کے تناظر میں۔

۲: عصر حاضر کے دعوتی چیلنجز اور مدارس دینیہ۔

☆ عالمی چیلنجز ☆ ملکی چیلنجز ☆ دعوت اسلامی اور ذرائع ابلاغ

۳: دعوت اسلامی کے فروغ میں مدارس کا کردار اور مروجہ نظام تعلیم و تربیت

☆ دعوت اسلامی کے فروغ میں مدارس کا کردار۔ تاریخی جائزہ

☆ دعوت اسلامی کے فروغ میں علماء کا کردار۔ تاریخی جائزہ

☆ مروجہ نظام تعلیم و تربیت۔ دعوتی تناظر میں

☆ مروجہ نظام تعلیم و تربیت میں۔ مطلوبہ تغیرات

٤: دعوت اسلامی اور مدارس کا مطلوبہ کردار۔

☆ مختلف اداروں اور تنظیموں سے وابستہ قائدین ملت کے احساسات۔

☆ علاوہ ازیں افتتاحی اجلاس کے تحت مفکرین اسلام کی گراں قدر آراء۔

☆ خلاصہ مباحث کے لئے ایک مستقل سیشن جس میں شرکاء کا مجوزہ اعلامیہ کے تحت سیر حاصل تبادلہ خیال۔

☆ جامعۃ الفلاح میں باقاعدہ مرکز دعوت کی تقریب سنگ بنیاد۔

اظہار تعزیت

یہ خبر جملہ فلاحی برادران کے لئے بے حد باعث تکلیف ہوگی کہ جناب مسیحا قادری

صاحب استاذ انگریزی ادب شعبہ عربی ۲۹ نومبر ۲۰۰۳ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف شعبہ نسواں میں ایک عرصہ تک مہتمم جامعہ کے معاون بھی رہے ہیں۔

یہ خبر دیتے ہوئے بھی ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر حمد اللہ فلاحی فراہی ۳۰ دسمبر کو انتقال کر گئے۔ موصوف کو طب یونانی پر عبور حاصل تھا آپ نے راجستھان سے اردو میں پہلا طبی پرچہ جاری فرمایا۔ فن طب کے مختلف موضوعات پر آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، مادر علمی کی ترقی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اس کے الحاق میں آپ نے زبردست جدوجہد کی تھی۔

ایسے ہی یہ خبر بھی متعلقین جامعہ کے لئے شدید رنج و غم کا باعث ہوگی کہ برادرم فضیل القدس فلاحی غزالی جو رابطۃ العالم الاسلامی کے انگریزی اخبار سے منسلک تھے۔ ۱۱ نومبر ۲۰۰۳ء کو ایک کار حادثہ کا شکار ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ادارہ حیات نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحومین کی بال بال مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

ایسے ہی یہ خبر بھی جملہ وابستگان جامعہ کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوگی کہ عزیزم محمد فصیح بن شکیل احمد (ساکن ملاڈ ممبئی) متعلم عربی اول کی ۸ فروری کو ساڑھے نو بجے صبح اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے موت ہو گئی۔ عصر بعد جامعہ سے متصل قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ مرحوم کافی ذہین اور ہونہار طالب علم تھا۔ وہ روز آنہ اپنی ڈائری بھی لکھتا تھا۔ ڈائری کا انداز تحریر مختصر اور جامع ہے۔ جو مرحوم کے اندر پنہاں بے پناہ صلاحیتوں کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعزہ واقارب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور انہیں مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ مرحوم کے سوگ میں ۱۱/۲/۲۰۰۴ء کو ابو اللیث ہال میں ایک تعزیتی نشست بھی منعقد ہوئی جس میں اساتذہ، طلبہ کے علاوہ مرحوم کے والد محترم اور بعض دیگر رشتہ دار بھی شریک ہوئے۔ صدر جامعہ کے تعزیتی کلمات کے بعد سکریٹری جمعیۃ الطلبہ عزیزم شفیق احمد نے اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار فرمایا۔ عزیزم کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل فلاحی صاحب نے مرحوم کے اوصاف و خصائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے خراج عقیدت پیش کیا۔ آخر میں نشست استاذ محترم مولانا شبیر احمد اصلاحی صاحب کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

ھدیۂ تشکر:

الحمد للہ انجمن طالبات قدیم کا تیسرا اجلاس عام مورخہ ۲۶/۲۵/۲۳ فروری ۲۰۰۳ء بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوا۔ اس موقع پر ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہیں کہ ہم نے اپنے منصوبوں اور کوششوں کے کارآمد ہونے کے لئے بارگاہ الٰہی میں جو مناجات، دعائیں و التجائیں پیش کی تھیں انہیں شرف قبولیت حاصل ہوا اور الحمد للہ اجلاس توقع سے زیادہ مفید و موثر اور کامیاب رہا۔ اس اجلاس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ شمارے میں ہدیۂ قارئین کی جائیں گی۔ اس وقت میں صرف اس مختصر تحریر کے ذریعہ اپنے تمام ذمہ داران جامعہ نیز بزرگوں، بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے ہمارے اجلاس عام میں خصوصی دلچسپی لی اور ہمیں ہر طرح کا مکمل تعاون پیش کیا۔ خاص طور سے اپنے تمام معاونین اجلاس کی (جن میں معلمین و معلمات دونوں شامل ہیں) تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اجلاس کے تمام امور کو اپنا کام سمجھتے ہوئے برضا و رغبت انجام دیا۔ اس موقع پر میں اپنی ناظمۂ اجلاس محترمہ سلمیٰ سجاد صاحبہ کا بھی ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتی جنہوں نے اجلاس میں اپنا مکمل تعاون پیش کر کے انجمن سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار کیا اور ان سب سے بڑھکر جس ہستی نے ہر وقت اور ہر معاملہ میں ہمیں اپنا مکمل تعاون پیش کیا وہ صدر انجمن طلبہ قدیم جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی ہیں۔ موصوف قدم قدم پر میری رہنمائی کرتے رہے اور اپنے گراں قدر تجاویز و مشوروں سے نوازتے رہے۔ اس طرح الحمد للہ انہوں نے انجمن طالبات قدیم سے اپنے گہرے تعلق و وابستگی کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، انکے اعمال عند اللہ مقبول ہوں، انجمن طالبات قدیم اللہ کی نصرت و تائید اور اپنے بزرگوں اور ساتھیوں کے زیر سایہ ترقی کے منازل عبور کرتی رہے اور اللہ اسے مزید عروج و استحکام عطا فرمائے۔ آمین۔

(صدر انجمن طالبات قدیم)

ساجدہ فلاحی